قُولُوا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا

قُولُوا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا

قُولُوا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا

وہابی تحریک

تصنیف: ڈاکٹر محمد خلیل ہراس

ترجمہ: محمد خالد سیف

طارق اکیڈمی فیصل آباد



بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

حافظ محمد عبداللہ

وہابی تحریک

ڈاکٹر محمد خلیل ھراس

ترجمہ: محمد خالد سیف

طارق اکیڈمی

ایس اے سنٹر چنیوٹ بازار فیصل آباد

برانچ ● غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

جہالت سراسر گمراہی ہے



طبع اول .... مئی 2000ء / صفر 1421ھ

اہتمام: محمد سرور طارق

طباعت: زاہد بشیر پرنٹرز

قیمت: -/30 روپے صرف

TARIQ ACADEMY
S.A. CENTRE, CHINIOT BAZAR,
FAISALABAD-PAKISTAN.

فہرست

۱ پیش لفظ ۵

۲ مقدمہ ۱۳

۳ وہابی تحریک کی بنیادیں ۱۵

۴ وہابی تحریک کی نشأۃ //

۵ وہابی تحریک اور دعوتِ توحید ۱۷

۶ وہابی تحریک اور دعوتِ الی اللہ ۲۰

۷ ایک عظیم اسلامی اصول ۲۲

۸ زندہ اور مردہ خداؤں کی پرستش ۲۷

۹ صحابہ کرامؓ، تابعینؒ اور ائمہ سلف کا مذہب ۲۸

۱۰ یہ تحریک تخریبی نہیں، بلکہ تعمیری ہے ۳۰

۱۱ مذہبی جھگڑا اس تحریک کا کام نہیں ۳۱

۱۲ وہابیت اور اسلامی میراث ۳۳

۱۳ تقلید نہیں، بلکہ اتباعِ حق ۳۵

۱۴ اس تحریک کا قابلِ فخر کارنامہ ۳۶

۱۵	تحریکِ تجدید و احیائے دین	۳۸
۱۶	دو غلطیاں	۴۰
۱۷	محض سنی سنائی باتیں	۴۲
۱۸	اصلاحی تحریک یا علمی اکیڈمی	۴۳
۱۹	وہابی تحریک اور فکرِ جدید	۴۶
۲۰	سعودی عرب میں علمی تحریک	۴۷
۲۱	یہ ایک اصلاحی تحریک ہے	۴۸
۲۲	**وہابی تحریک ـــــ افکار و اعمال کے آئینہ میں**	۵۱
۲۳	دعوت و عمل	//
۲۴	اسلام تہذیب اور ٹیکنالوجی	۵۴
۲۵	نظامِ حیات اور اسلامی اساس پر استواری	۵۷
۲۶	سعودی عرب میں اسلامی قانون کا تجربہ	۶۰
۲۷	وہابی تحریک کا اسبابِ حیات سے استفادہ	۶۸
۲۸	حق کی طرف رجوع باطل میں سرگردانی سے بہتر ہے	۷۰



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

عرضِ مترجم

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کی خوبیٔ قسمت پر کون ناز نہ کرے کہ اللہ تعالیٰ نے بارہویں صدی ہجری میں صحرائے عرب یعنی شتربانوں کے گہوارے سے ایک ایسی شخصیت کو توفیق بخشی جس نے پہلے تو مکمل طور پر آپ کی تعلیمات کو حاصل کیا، پھر سے تدبر اور سوچ بچار کے بعد یہ یقین کیا کہ یہ تعلیمات کتاب وسُنّت کے عین مطابق اور یہ طریق دعوت حضور سرورِ کائنات فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کے انداز دعوت وتبلیغ کی مکمل اتباع ہے، تو پھر آپ نے بھی شرک وبدعات کے خلاف جنگ، رسوم وخرافات کی مخالفت، لوگوں کو توحیدِ خالص کی دعوت اور مسلمانوں کو پستی وذلت کی انتھاہ گہرائیوں سے اٹھا کر عزت وقوت کے اوجِ ثریا پر مقیم کرنے کے سلسلے میں اسی راہ کو اختیار کیا، جسے قبل ازیں آٹھویں صدی ہجری میں امام ابن تیمیہؒ اختیار فرما چکے تھے۔

امام محمد بن عبدالوہابؒ نے جب شعور کی آنکھیں کھولیں اور اپنے گردوپیش کا جائزہ لیا تو صورتِ حال دیکھ کر تڑپ تڑپ اٹھے۔ جی ہاں! اس صورتِ حال پر ہر اس انسان کو تڑپنا ہی چاہیئے تھا جس کے دل میں ایمان کی رمق موجود ہو، کیونکہ بقول امریکی اہلِ قلم اسٹاڈرڈ صورتِ حال یہ تھی:

• مذہب بھی دیگر امور کی طرح پستی میں تھا۔ تصوّف کے طفلانہ توہمات کی کثرت نے خالص اسلامی توحید کو ڈھک لیا تھا۔ مسجدیں ویران اور سنسان پڑی تھیں۔ جاہل عوام ان سے بھاگتے تھے اور تعویذ گنڈے اور مالائیں

پھنس کر گندے فقیروں اور دیوانے درویشوں پر اعتقاد رکھتے تھے اور بزرگوں کے مزارات پر زیارت کو جاتے جن کی پرستش بارگاہِ ایزدی کے شفیع اور ولی کے طور پر کی جاتی تھی، کیونکہ ان جاہلوں کا خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ کی برتری کے باعث وہ اس کی اطاعت بلاواسطہ ادا نہیں کر سکتے۔ قرآن کریم کی تعلیم نہ صرف پس پشت ڈال دی گئی تھی، بلکہ اس کی خلاف ورزی کی جاتی تھی۔ یہاں تک مقامات مقدسہ (مکہ و مدینہ) بداعمالیوں کا مرکز بن گئے تھے اور حج جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرائض میں داخل فرمایا تھا، بدعات کی وجہ سے حقیر ہو گیا تھا۔ فی الجملہ اسلام کی جان ہی نکل چکی تھی ...... اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پھر دنیا میں تشریف لاتے، تو وہ اپنے پیرؤوں کے ارتداد اور بت پرستی پر بیزاری کا اظہار فرماتے۔" [1]

یہ تو حجاز اور مقاماتِ مقدسہ کا حال تھا، لیکن جزیرۃ العرب کے قلب یعنی نجد کی حالت اس سے بھی بدتر تھی۔ وادیٔ حنیفہ میں کھلے بندوں زید بن خطابؓ کی قبر پرستش کے لیے مرجع عام تھی۔ درعیہ میں بعض صحابہ کرامؓ کے نام سے منسوب قبریں اور وادی غبیرہ میں ضرار بن ازورؓ کا قبہ شرک کے مرکز بنے ہوتے تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ بلیدۃ الغلاء میں ایک پرانے درخت کے ساتھ جوان مرد اور عورتیں جو سلوک کرتی تھیں، ان کے بیان سے سر ندامت سے جھک جاتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ وہ عورتیں جو اولاد سے مایوس ہو چکی ہوتی تھیں، وہ اولاد کی تمنا میں اس درخت سے

---

[1] NEW WORLD OF ISLAM P-25-26 T

بحوالہ محمد بن عبد الوہابؒ ایک مظلوم اور بدنام مصلح، از مولانا مسعود عالم ندوی ص ۲۴ - ۲۵ مطبوعہ طارق اکیڈمی فیصل آباد۔

ہمکنار ہوتیں۔ نیز درعیہ کا غار بھی حد درجہ شرمناک برائیوں کا مرکز بنا ہوا تھا۔ الغرض اب وہ وقت آپہنچا تھا جس کے لیے اللہ تعالیٰ کا وعدہ یہ ہے جیسا کہ آنحضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

انّ اللہ یبعث لھذہ الامۃ علی رأس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا۔	اللہ تعالیٰ ہر صدی کے سر پر اس امت کے لیے ایسے لوگ اٹھاتا رہے گا جو اس کے لیے اس کے دین کو تازہ کریں گے۔

یعنی اللہ تعالیٰ اس امت کو جب یہ اپنی بد اعمالیوں، اللہ اور رسول کی نافرمانیوں اور شرک و بدعت و خرافات کی سیہ کاریوں میں مبتلا ہونے کے باعث جادۂ حق سے منحرف ہو جائے گی، تو وہ ایسے اشخاص عطا فرماتا رہے گا، جو اسلام کی حقیقی تعلیمات کو زندہ کر دیں گے، دین کو تازہ اور امت کو سرگرم عمل کر دیں گے اور حقیقت یہ ہے کہ اس دین میں ایسے اشخاص عطا کرنے کی صلاحیت بھی بدرجہ اتم موجود ہے جس کا اس سے پہلے کبھی کسی دین سے اظہار نہیں ہوا تھا اور امتِ مسلمہ جیسی مردم خیز ثابت ہوتی ہے۔ دنیا کی اقوام و ملل اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہیں اور یہ محض حسنِ اتفاق نہیں، بلکہ مذکورہ ارشادِ نبوی کی روشنی میں معلوم یوں ہوتا ہے کہ یہ سراسر انتظامِ الٰہی ہے۔

اسی کو انتظام یا سنتِ الٰہی کہیے کے مطابق بارہویں صدی ہجری میں تحریفات، تاویلات، عجمی اثرات، خرافات، بدعات، مشرکانہ اعمال و رسوم، مادیت، الحاد، لادینیت، زندیقیت اور عقلیت پرستی کی بیخ کنی کے لیے تجدید و احیائے دین کا تاج جس شخصیت کے سر پہ سجایا گیا، وہ مجدد القرن الثانی عشر، امام عالی مقام شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔

یہ شیخ الاسلام امام محمد بن عبدالوہابؒ ہی تھے جنہوں نے تاریکیوں اور گمراہیوں میں حق کے چراغ روشن کیے، جنہوں نے سرزمینِ حجاز کے لوگوں کی زندگی، عقائد اور

اخلاق میں ایک بار پھر غیر معمولی انقلاب برپا کر دیا جنہوں نے مسلمانوں کی عظمت رفتہ کے حصول کے لیے دن رات ایک کر دیا جن سے حجاز کے سعودی خاندان نے جہاں بانی کے گُر سیکھے اور جن کی بدولت علم وفضل کے دبستان کھلے اور ان میں قال اللہ وقال الرسول کی دل آویز صدائیں گونج گونج اٹھیں۔

آپ بچپن ہی سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی طرف مائل تھے۔ ابھی فقہ وحدیث کی ابتدائی تعلیم حاصل کر رہے تھے کہ بدعات وخرافات ان کی آنکھوں میں کھٹکنے لگے اور جہاں کوئی بات دین وشریعت کے خلاف دیکھتے، فوراً نہی عن المنکر کے فریضہ سے سبکدوش ہونے کی کوشش فرماتے۔

تعلیم سے فراغت کے بعد جب آپ نے آنکھ اٹھا کر چاروں طرف دیکھا، تو ماحول گمراہی کی سیاہ چادر میں لپٹا ہوا نظر آیا؛ چنانچہ آپ سے ضبط نہ ہو سکا اور آپ نے اعلائے کلمۃ اللہ، تبلیغ دین، اشاعت توحید وسنت اور جہاد فی سبیل کے لیے کمر ہمت کس لی اور اس وادی پرخار میں آپ کو بھی وہ سب مصیبتیں جھیلنا پڑیں اور ان تمام آلام ومصائب کا تختہ مشق بننا پڑا جو اہل حق کو پیش آیا کرتے ہیں، لیکن آپ نے بھی اصحاب تجدید دین اور ارباب دعوت وعزیمت کی طرح استقامت کا بھرپور مظاہرہ فرمایا۔ بڑے سے بڑے آلام ومصائب آپ کے پایۂ استقلال میں قطعاً جنبش پیدا نہ کر سکے۔ آپ عزیمت واستقامت کا کوہ گراں بنے حالات کے تند وتیز طوفانوں کا مقابلہ کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی نصرت وحمایت کی یہ صورت پیدا فرما دی کہ جن دنوں آپ نے درعیہ کو اپنی دعوت توحید وتحریک احیائے دین کا مرکز بنایا ہوا تھا، انہی دنوں وہاں کے امیر محمد بن سعود کی بیوی موضیٰ کے دل پر خود بخود شیخ کے علم وفضل کا سکہ جم گیا اور اُس نے امیر سے عرض کیا:

"اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت تمہارے ہاں بھیج دی ہے، اُٹھو!
اور اس کی مدد کرو، تمہاری دنیا و آخرت دونوں سنور جائیں گی۔"

امیر محمد بن سعود اپنی بیوی کی گفتگو سے بے حد متاثر ہوا اور اس کے دِل میں شیخ کی محبت گھر کر گئی، چنانچہ انہوں نے شیخ سے ملاقات میں پہل کی۔ اس ملاقات کو غنیمت سمجھتے ہوئے شیخ نے دعوتِ توحید پیش کی اور اپنی دعوت کے اہم حصّوں پر مختصر سی تقریر فرمائی۔ امیر آپ کی تقریر سے اس قدر متاثر ہوا کہ بے ساختہ پکار اٹھا:

"اے شیخ! یہ تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا دین ہے، میں آپ کی امداد، اطاعت اور مخالفینِ توحید سے جہاد کرنے کے لیے تیار ہوں، لیکن میری دو شرطیں ہیں:

۱۔ اگر ہم نے آپ کی مدد کی اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح دی، تو آپ ہمارا ساتھ نہ چھوڑیں۔"

۲۔ اہلِ درعیہ سے فصل کے وقت کچھ مقررہ محصول لیتا ہوں، آپ مجھے اس سے نہ روکیں۔

شیخ نے جواب میں فرمایا:

"پہلی شرط بسر و چشم تسلیم ہے، ہاتھ لاؤ الدم بالدم والھدم بالھدم (میرا خون تمہارا خون اور میری تباہی تمہاری تباہی)، رہی دوسری شرط! اِن شاء اللہ تمہیں فتوحات اور غنیمتوں میں اتنا کچھ مل جائے گا کہ اس خراج کا خیال بھی دل میں نہ آئے گا۔"

امیر نے شیخ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا عہد و پیمان کیا اور کتاب و سنت کے بتائے ہوئے طریقوں پر چلنے کا پورا پورا یقین دلایا۔ امیر کا بیعت کرنا تھا کہ جوق در جوق لوگ شیخ کی دعوت پر لبیک کہنے لگے اور بلکہ یوں

کہیے کہ اپنے ایمان و اعمال کی تجدید کرنے لگے۔ شیخ نے صرف امیر محمد بن سعود اور سعودی خاندان کو دین و ایمان کی حلاوت سے آشنا نہیں اور انہیں جہانبانی کے گُر نہیں سکھائے، بلکہ آپ کی دعوت سے سارے جزیرۃ العرب کی دوبارہ پھر قسمت جاگ اٹھی اور حجاز و نجد کے لوگوں میں صحیح اسلامی روح بیدار ہوگئی، بلکہ اطراف و اکناف عالم میں آپ کی دعوت اور اس کے اثرات پھیلے جواب تک پھیلتے ہی جا رہے ہیں۔ کَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ۔

یہاں مجھے ایک اور بات کی طرف بھی اشارہ کرنا ہے کہ یہ حالات کی عجب ستم ظریفی ہے کہ مسلمان قوم میں جو شخصیتیں جس قدر عظیم اور محسن ہیں، قوم کے بعض نام نہاد افراد نے ان کی شان میں اسی قدر گستاخانہ اور حد درجہ ناشائستہ رویہ اختیار کیا۔ حضرت امام احمد بن حنبل، حضرت امام ابن تیمیہ، حضرت امام مجدد الف ثانی اور حضرت امام محمد اسمٰعیل شہید رحمہ اللہ علیہم اجمعین کے سوانح حیات کا مطالعہ کرنے والا ہر انسان ہماری بات کی تصدیق کرے گا۔

ان محسن، مصلح اور مجدد شخصیتوں کی طرح شیخ الاسلام امام محمد بن عبدالوہابؒ بھی نہایت مظلوم ہیں۔ "شاید ہی کوئی ایسا دن ہو جس میں تکفیر و تضلیل کی توپوں سے آپ پر گولہ باری نہ کی گئی ہو، سب و شتم کے تیر نہ برسائے گئے ہوں، لعن و طعن کے بم نہ چلائے گئے ہوں۔ دنیا کی کون سی گالی اور دشنام ہے، جسے آپ کے خلاف استعمال نہ کیا گیا ہو اور ستم بالائے ستم کہ یہ سب کچھ ان لوگوں کی طرف سے کیا گیا، جنہیں کتاب و سنت کی صحیح خدمت کی کبھی توفیق نہیں ہوئی اور جن کے نازک پاؤں میں اللہ کی راہ میں کبھی کوئی کانٹا نہیں چبھا، کیا دنیا کی تاریخ میں احسان فراموشی کی اس سے بڑھ کر کوئی مثال مل سکتی ہے ؎

رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں معاف
آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے"

جن جن لوگوں نے شیخ الاسلام کی مخالفت کی جس جس انداز سے مخالفت کی اور جو جو اتہام لگائے اور افترا پردازیاں کیں اور پھر اہل حق کی طرف سے اس سب کچھ کے جواب میں جو کچھ پیش کیا گیا، اس کی تفصیل تو یہاں ممکن نہیں، البتہ اس کی کچھ تفصیل آپ مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم کی کتاب محمد بن عبدالوہابؒ ۔ ایک مظلوم اور بدنام مصلح" کے پانچویں باب غلط بیانیاں اور افترا پردازیاں" میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

امام محمد بن عبدالوہابؒ اور آپ کی تحریک احیاء وتجدید دین کے ناقدین میں سے زمانۂ حال کے ایک مصری بزرگ جناب ڈاکٹر محمد بہی بھی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی کتاب ـــــــ "الفکر الاسلامی فی تطورہ" ـــــــ میں فکر اسلامی کے تدریجی ارتقاء، حرکت وجمود اور مختلف ادوار کے عروج وزوال کو موضوع سخن بنایا ہے اور اس کتاب کی چوتھی فصل میں وہابی تحریک سے متعلق بھی بحث کی ہے، لیکن افسوس کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنے تمام علم وفضل کو بالائے طاق رکھتے ہوئے نہایت کچی، سطحی اور سنی سنائی باتوں پر انحصار کرتے ہوئے اس مقدس تحریک کے خلاف خوب زور قلم صرف کیا ہے اور بے بنیاد الزام عائد کیے ہیں اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے ہمارے فاضل سعودی دوست جناب ڈاکٹر محمد خلیل ہراس کو، جنہوں نے ڈاکٹر محمد بہی کے جواب میں "الحرکۃ الوهابیۃ" کے نام سے ایک نہایت خوبصورت اور عمدہ کتاب تصنیف فرمائی اور نہایت متین اور شستہ انداز میں ڈاکٹر صاحب کے ایک ایک اعتراض کا جواب دیا اور ایک ایک غلط فہمی کا ازالہ کیا۔

جناب ڈاکٹر محمد خلیل ہراس، ڈاکٹر محمد بہی کے شاگرد رشید ہیں اور جامعہ ازہر میں آپ سے فلسفہ کی تعلیم حاصل کرتے رہے ہیں۔ ہراس صاحب

نے اپنے استاذِ محترم کے ادب و احترام کو بھی پورا پورا ملحوظ خاطر رکھا ہے اور آپ کے سوالات و اعتراضات کا بھی اس خوبی سے جواب دیا ہے کہ حق یہ ہے کہ حق ادا کر دیا ہے۔

کتاب کی ثقاہت اور متانت کے لیے شاید یہ عرض کر دینا کافی ہو کہ اسے اسلامک یونیورسٹی مدینہ منورہ نے زیورِ طباعت سے آراستہ کرایا ہے۔

اردو قارئین کرام کی دلچسپی کے لیے میں نے —— وہابی تحریک —— کے نام سے اس کا اُردو میں ترجمہ کیا ہے۔ ترجمہ کے بارے میں کچھ کہنا میرا منصب نہیں۔ اس کا فیصلہ تو قارئین کرام اور اہلِ قلم دوست فرمائیں گے۔

بہر آئینہ اس موضوع پر قبل ازیں —— طارق اکیڈمی —— مولانا مسعود عالم ندوی ؒ کی شہرہ آفاق کتاب —— محمد بن عبدالوہاب —— ایک مظلوم اور بدنام مصلح —— نہایت سلیقہ اور قرینہ سے زیورِ طباعت سے آراستہ کر چکی ہے —— اور اب اکیڈمی کی طرف قارئین کرام کی خدمت میں یہ دُوسری پیشکش ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اسے بھی شرفِ قبولیت سے نوازے اور ہم سب کو اخلاصِ عمل کی توفیق سے سرفراز فرمائے۔ آمین!

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

محمد خالد سیف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدّمہ

ہمارے استاد جناب ڈاکٹر محمد بہی کی ایک چھوٹی سی کتاب "دار الفکر بیروت" کے زیرِ اہتمام طبع ہوئی ہے، اس کتاب میں ڈاکٹر صاحب نے فکرِ اسلامی کے تدریجی ارتقاء، حرکت و جمود اور مختلف ادوار میں اس کے عروج و زوال کو موضوعِ سخن بنایا ہے۔ انہوں نے اپنے اس کتابچے کی ایک فصل میں وہابی تحریک کا بھی ذکر کیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ اس کا تعلق اس دینی و اصلاحی تحریک سے ہے، جسے آٹھویں صدی ہجری میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے شروع کیا تھا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ جناب ڈاکٹر صاحب نے تحریکِ وہابیت سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے کچھ ایسے خیالات کا بھی اظہار کیا ہے جو امرِ واقع کے خلاف ہیں اور حق سے بہت بعید بلکہ سچّی بات یہ ہے کہ اس تحریک کے بارے میں نقد و تبصرہ کرتے ہوئے ان کا قلم جادۂ عدل و انصاف سے بھٹک گیا ہے اور وہ جو علمی بحث کا اسلوب ہوتا ہے اسے برقرار نہیں رکھ سکے۔

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ جب آپ کسی امر کا بھی جائزہ لیں تو اس کی خوبیوں اور خرابیوں دونوں کو زیرِ بحث لائیں اور کسی جانب داری کے بغیر صحیح صحیح تجزیہ پیش کر کے صورتِ حال واضح کریں، لیکن افسوس کہ وہابی تحریک پر قلم اٹھاتے ہوئے ڈاکٹر صاحب کو اس مبارک تحریک کی ایک خوبی بھی نظر نہ آئی، بلکہ انہیں جو کچھ بھی نظر آیا وہ خرابیاں ہی خرابیاں، عیوب، مثالب اور بے حد و حساب تہمتیں ہیں جنہیں پڑھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے کچھ مخصوص حالات و عوامل سے متاثر ہو کر یہ لکھا ہے۔

جی ہاں! جو شخص بھی اس نقد و تبصرہ کو پڑھے جسے ڈاکٹر بہی نے وہابی تحریک کے سلسلہ میں پیش کیا ہے اور پھر اس نقد و تبصرہ کا موازنہ اس تحریک کے ذاتی مبادیات اور اغراض و مقاصد سے کرے اور ماضی و حال میں اس تحریک نے عقیدہ و عمل کے میدان میں جو

عظیم الشان اصلاحات کی ہیں، ان پر بھی ایک طائرانہ نگاہ ڈال لے تو وہ ڈاکٹر صاحب کے مصادر و مآخذ کو تعجب کی نگاہوں سے دیکھے گا اور اُسے اس نتیجہ تک پہنچنے میں ذرہ بھر شک نہ ہو گا کہ ڈاکٹر صاحب نے محض ان مصادر و مآخذ پر انحصار کیا ہے جو اس تحریک کے دشمنوں نے لکھے ہیں۔

جناب ڈاکٹر صاحب کے بارے میں ہم جانتے ہیں کہ آپ جو کچھ لکھتے ہیں علمی و تحقیقی انداز میں لکھتے ہیں اور پوری بحث و تمحیص کا التزام کرتے ہیں اور ہم نے اصولِ دین کالج جامعہ ازہر میں اسلامی فلسفہ کی اعلیٰ تعلیم کے حصول کے سلسلہ میں جب ڈاکٹر موصوف کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیے، تو ان سے یہی سیکھا کہ جو کچھ لکھو علمی و تحقیقی انداز میں پوری دیانت داری سے لکھو۔ مجھے ذاتی طور پر یہ شرف بھی حاصل ہے کہ جامعہ ازہر میں ڈپلوما کے لیے میں نے "ابن تیمیۃ السلفی" کے نام سے جو مقالہ لکھا، ڈاکٹر صاحب اس کے نگران تھے، لیکن افسوس کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنے معمول اور مزاج کے خلاف اپنے اس کتابچے کی اس مذکورہ فصل میں علم و تحقیق کے بجائے محض سنی سنائی باتوں اور ناشائستہ اعتماد مآخذ پر انحصار کیا ہے۔ لہٰذا ہم اپنے استاذِ محترم سے اجازت چاہتے ہیں کہ آپ نے اس تحریک سے متعلق جو کچھ لکھا ہے، علم و تحقیق کی روشنی میں اس کا جائزہ لیں۔ یہ بالکل بجا کہ ڈاکٹر صاحب ہمیں بہت محبوب ہیں اور ہمارے دلوں میں ان کی محبت پیوست ہے، لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ حق تو ہمیں اپنی جانوں سے بھی زیادہ عزیز ہے۔ زمانۂ قدیم میں ارسطو نے اپنے استاذ افلاطون کے فلسفہ پر نقد و جرح کیا تھا اور اس سلسلہ میں انھوں نے کتنی خوبصورت بات کہی:

"افلاطون ہمارے دوست ہیں اور حق بھی دوست، لیکن حق ہمارے نزدیک افلاطون کی نسبت زیادہ قابلِ ترجیح ہے۔"

قبل اس سے کہ ہم ڈاکٹر صاحب کے نظریات پر تنقید کریں، ضروری سمجھتے ہیں کہ پہلے ڈاکٹر صاحب کے خیالات کی تلخیص پیش کر دیں تاکہ بات سمجھنے میں آسانی رہے۔

وہابی تحریک کی بنیادیں

وہابی تحریک کی نشاۃ

جناب ڈاکٹر نے اپنی کتاب "الفکر الاسلامی فی تطورہ" کی چوتھی اور آخری فصل میں وہابی تحریک سے متعلق بحث کی ہے اور اس سلسلے میں بحث دو پہلوؤں سے کی ہے۔ ایک تو سیاسی حالات و حوادث اور اس حکومت کے ساتھ تعلقات کے اعتبار سے جس نے اس تحریک کے ساتھ تعاون کیا تھا اور دوسرے اس پہلو سے کہ یہ ایک دینی تحریک ہے جو کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی تحریک کے نقش قدم پر چلی۔ پھر انہوں نے لکھا ہے کہ ہم محمد بن عبدالوہابؒ کی تحریک کے صرف دوسرے پہلو سے اس وقت بحث کریں گے پھر انہوں نے اس تحریک کے بانی (اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمت کے پھول برسائے) کے مختصر حالات ذکر کیے ہیں اور اس ضمن میں طلب علم کے سلسلے میں ان کے بڑے بڑے اسلامی شہروں کی طرف سفر کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انہوں نے حجاز میں مکہ و مدینہ خلیج عربی کے علاقہ میں احساء، دجلہ و فرات کی سرزمین میں بصرہ و بغداد، سوریا میں دمشق اور ایران میں اصفہان اور قم کی طرف حصول علم کی غرض سے سفر کیے اور درس و تعلیم میں بارہ برس سے زیادہ مدت صرف کی اور اس طویل علمی رحلت کے باعث اسلام اور مذاہب اسلامیہ کے بارے میں مکمل معرفت اور تجربہ حاصل کر لیا اور اس سلسلہ میں ان کی شاہراہ وہی نظر آتی ہے جو قبل ازیں ان کے (روحانی) استاذ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی تھی یا ان کے بعد آنے والے اسلامی تحریکوں کے مؤسسین اور باقی حضرات کی ہے۔

اپنے شہر عینیہ میں جب آپ واپس تشریف لائے تو آپ نے اپنی دعوت کے آغاز کا عزمِ صمیم کر لیا اور بڑے جوش و خروش کے ساتھ کام شروع کر دیا، چنانچہ آپ کو شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا، حتیٰ کہ آپ نے عینیہ کو خیرباد کہہ کر ریاض کے شمالی جانب دَرعیہ کی طرف رختِ سفر باندھا۔ درعیہ کے امیر محمد بن سعود نے آپ کو خوش آمدید کہا اور اپنی نصرت و حمایت کا پورا پورا یقین دلایا۔ دونوں نے اس بات پر معاہدہ کیا کہ شیخ سعودی خاندان کے علاقے میں قیام فرمائیں گے اور امیر اپنی تمام تر توانائیوں اور قوت و شوکت کے ساتھ شیخ کی دعوت کی نصرت و اعانت کریں گے۔

امیر اس معاہدے پر کاربند رہا، حتیٰ کہ ۱۷۹۲ء میں شیخ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ شیخ اور امیر کی وفات کے بعد دونوں خاندانوں کے افراد نے معاہدہ کیا کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ اس عہد و پیمان کے پابند رہیں گے جو ان کے بزرگوں کے مابین طے پایا تھا؛ چنانچہ تب سے لے کر اب تک وہابی تحریک اور سعودی حکومت کے درمیان رشتۂ و تعلق کی بنیادیں مضبوط و مستحکم رہی ہیں۔ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے:

> "اس معاہدے کی بدولت اس تحریک کو سلطنت و حکومت اور ایمانی قوت دونوں نصیب ہو گئیں اور یہ دونوں امور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے عہدِ مبارک کے بعد کسی دوسری تحریک کو بہت کم نصیب ہوتے ہیں اور انہی کے باعث اس تحریک کا مستقبل نشاط افزاء اور پُرامید ہے۔"

پھر ڈاکٹر صاحب نے اس تحریک کے سیاسی پہلو پر لکھا ہے کہ جب سعودیوں کی حکومت کو وسعت نصیب ہو گئی اور جزیرۃ العرب میں انہیں مکمل طور پر اثر و نفوذ حاصل ہو گیا تو اس سے اس تحریک نے بھی بخوبی فائدہ اٹھایا اور سعودیوں کے سرزمینِ حجاز کے فتح کرنے کے باعث اسے مکہ و مدینہ میں پھیلنے کا خوب موقعہ ملا اور پھر مکہ و مدینہ کی بدولت

اسے موسمِ حج میں یہ سہولت میسر آئی کہ اطراف و اکنافِ عالم سے آئے ہوئے حجاج کے سامنے اپنے بنیادی امور، اپنے افکار و نظریات اور اپنی تعلیمات کی نشر و اشاعت کر سکے۔ ـــــ موسمِ حج میں مکہ و مدینہ میں مختلف علاقوں سے آئے ہوئے لوگوں سے اس تحریک سے وابستہ کارکنوں کی ملاقاتوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ تحریک مشرق میں پاک و ہند اور انڈونیشیا تک اور مغرب میں سوڈان اور شمالی افریقہ تک پہنچ گئی۔

پھر انہوں نے جزیرۃ العرب سے باہر سعودی اثر و نفوذ کی وسعت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جب یہ جنوبی یمن میں عمان، زبید، وسطِ عراق اور اطرافِ دمشق تک پھیل گیا، تو سعودی حکومت کے اثر و نفوذ کی اس وسعت پذیری نے آستانہ میں ترکی خلیفہ کو قلق و اضطراب میں مبتلا کر دیا؛ چنانچہ اس نے والیِ مصر محمد علی پاشا کو سعودیوں کے خلاف لڑائی کرنے اور انہیں ان کے ابتدائی مرکز تک پہنچا دینے کے لیے مقرر کیا لیکن جلد ہی سعودی اثر و نفوذ کو نجد و حجاز میں ۱۹۲۵ء میں بتدریج پھر وہی شوکت و قوت نصیب ہو گئی جو کہ ابتداء میں حاصل ہوئی تھی۔

وہابی تحریک اور دعوتِ توحید

پھر انہوں نے وہابی تحریک سے متعلق ایک دینی اور اصلاحی تحریک کی حیثیت سے بحث کی ہے اور لکھا ہے کہ وہابی دعوت کی بنیادیں تین ہیں۔ اوّل کا تعلق اصول یعنی عقیدہ سے ہے اور یہاں ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے:

> ”یہ توحید کی تاکید اور شرک کی نفی کی دعوت ہے، یعنی صرف اللہ تعالیٰ کو عبادت کا مستحق قرار دینا۔“

اس تحریک کی دعوتِ توحید کی یہ اجمالی لیکن نہایت خوبصورت اور سچّی تصویر ہے۔ توحید سے یہاں مراد توحیدِ الوہیت ہے اور اس کی بنیاد اس بات پر ہے کہ ہر طرح کی

عبادت کے لیے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو مستحق قرار دیا جائے اور تمام انواع واقسام کی عبادتوں میں صرف اسی وحدہٗ لاشریک کی طرف توجّہ کی جائے، لہٰذا اس دعوت کا سب سے پہلا ہدف یہ تھا کہ شرک اور بُت پرستی کے ان تمام مظاہر کی نفی کردی جائے جو کہ توحید کے منافی ہیں، لیکن اس وقت یہ مظاہر سارے عالمِ اسلام میں پھیل چکے تھے۔ مُردوں کی پرستش، اصحابِ قبور سے استعانت، قبروں والوں کے نام پر نذر ونیاز اور قربانیاں، حجروں، شجروں اور غاروں سے تبرک حاصل کرنا اور سحر، نجوم، کہانت اور مختلف قسم کی شعبدہ بازیوں پر اعتقاد رکھنا اس دور میں شرک اور بُت پرستی کی مختلف صورتیں تھیں، چنانچہ اس دعوت نے ان تمام خرافات کے خاتمے کا پروگرام بنایا۔ نیز ان تمام قبروں اور پتھّروں کے اکھاڑ پھینکنے کا بھی فیصلہ کیا جن کے باعث لوگ فتنہ میں مبتلا ہو رہے تھے اور پھر اس توحید کی حقیقت لوگوں کے سامنے بیان کی جانے لگی جسے بیان کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا، کتابیں نازل فرمائیں اور ساتھ ساتھ ان دیگر امور کو بھی بیان کیا جانے لگا جو توحید کے منافی تھے۔

"کتاب التوحید" جسے اس تحریک کے بانی (اللہ تعالیٰ ان پر رحمت فرمائے) نے تالیف فرمایا تھا، اس دور میں اس تحریک سے وابستہ حضرات کے لیے گویا دستور کی کتاب تھی جسے یہ لوگوں کو پڑھاتے اور لوگوں کے سامنے اس کی فصول اور اس کے مسائل کی تشریح وتوضیح فرماتے تھے۔

یہ سب کچھ بیان کرنے کے بعد ڈاکٹر صاحب نے اس پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عبادت کے مفہوم میں تو ہر وہ معنی شامل ہے جو احترام کو ظاہر کرتا ہو خواہ الفت ومحبت اور عرف وعادت کے اعتبار سے ہی کیوں نہ ہو، یعنی اس سے ڈاکٹر صاحب کی مراد یہ ہے کہ وہابی عبادت کے مفہوم کی تحدید میں بہت دُور تک نکل گئے ہیں اور انہوں نے اس احترام وتقدیس کو بھی عبادت کے مفہوم میں سمجھ لیا

ہے جو الفت وعادت کے پیشِ نظر ہوتا ہے!

ڈاکٹر صاحب کی یہ بات درست نہیں، ہم نے تو آج تک یہ نہیں سنا کہ اُلفت و عادت غیر اللہ کی عبادت کو مشروع اور جائز قرار دے دیتے ہوں۔ غور فرمایئے کہ جب لوگوں کو اس بات سے محبت ہے کہ وہ مُردوں کی قبروں پر قبے بنائیں، مشکلات میں ان سے مدد مانگیں، قضائے حاجات کے لیے انہیں پکاریں، نذر و نیاز اور قربانیوں کے ساتھ ان کا تقرب ڈھونڈیں، مقبروں کے سامنے عاجزی و انکساری سے کھڑے ہوں اور ان سے وسیلہ پکڑتے اور ذلت و خواری کا اظہار کرتے ہوئے انہیں بلائیں تو ہمارے ڈاکٹر صاحب کے نزدیک یہ سب امور توحیدِ عبادت کے منافی نہیں ہیں، کیونکہ یہ سب الفت و محبت کا تقاضا اور عرف و عادت کے عین مطابق ہے۔

اگر ڈاکٹر صاحب کی اس منطق کو صحیح تسلیم کر لیا جائے کہ ہر اس کام سے چشم پوشی کر لینی چاہیے جو الفت و عادت کے مطابق ہو، تو پھر انبیائے کرام کے معبوث کیے جانے کی ضرورت ہی کیا تھی، کیونکہ مختلف امتیں شرک و معاصی کی جن صورتوں میں مبتلا تھیں، وہ سب کچھ بر سبیلِ الفت و عادت ہی تھا۔ اسی طرح مشرکینِ عرب جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاد کرنے کا حکم دیا گیا۔ قرآن مجید جن کی مذمت میں نازل ہوا اور انہیں ابد الآباد تک جہنم میں رہنے کی وعید سنائی گئی۔ جس قدر بھی نذر و نیاز، قربانی، طواف اور دُعا (یعنی غیر اللہ سے) وغیرہ شرکیہ اعمال کرتے تھے۔ یہ سب کچھ الفت و عادت کے اعتبار سے تھا۔

قرآن مجید نے بھی بیان کیا ہے کہ جب انہیں ان شرکیہ امور سے منع کیا جاتا تو وہ فوراً کہتے:

إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِمْ مُهْتَدُونَ ○ (الزخرف - ۲۲)

ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک رستے پر پایا ہے اور ہم انہی کے قدم بقدم چل رہے ہیں۔

وہابی تحریک اور دعوت الی اللہ

پھر ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ سطحِ زمین پر قبروں کا بنانا اور انتظامی امور کے سلسلہ میں ان کی زیارت اور عاجزی و انکساری سے ان کے پاس کھڑے ہونا وہابی تحریک کے نزدیک یہ ایسے امور ہیں جو انسان کو شرک اور عدم توحید تک پہنچائیں' بلکہ درحقیقت یہ امور ہی عین شرک ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کی یہ بات صحت سے عاری اور حقیقت کے منافی ہے۔ صرف وہی انسان یہ بات کہہ سکتا ہے جو شہرت پسند ہو اور خود نمائی کا طالب ہو۔ وہابی دعوت جسے درحقیقت شرک تصور کرتی ہے، وہ دراصل سطحِ ارض پر قبر کا بنانا اور انتظامی امور کے لیے قبر کی زیارت کو جانا نہیں، بلکہ درحقیقت شرک وہ ہے جس کا یہ لوگ ان قبوں کی زیارت کے دوران ارتکاب کرتے ہیں، یعنی قبر والے کو پکارنا اور مدد طلب کرنا، طلبِ حاجت اور استمدادِ برکات کے لیے بلانا، قبر پر نذر و نیاز چڑھانا' جانور ذبح کرنا اور جانوروں کو قبر والے کا نام لے کر ذبح کرنا وغیرہ جن کے بارے میں کوئی بھی مسلمان شک نہیں کر سکتا کہ یہ صریحاً شرک ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے جو قبریں بنانے، انہیں اونچا بنانے، ان پر قبّے وغیرہ تعمیر کرنے اور ان کی زیارت کے لیے آنے جانے کا ذکر کیا ہے۔ اگرچہ یہ شرک نہیں ہے، لیکن شرک تک پہنچانے کا ذریعہ ضرور ہے، کیونکہ یہ امور ان قبروں کی تعظیم اور عبادت تک پہنچاتے ہیں، اسی وجہ سے اسلام نے انہیں حرام قرار دیا ہے اور قبروں کو زمین کے برابر کرنے کا حکم دیا ہے۔ نیز قبروں کے اونچا کرنے، پختہ کرنے، ان پر مسجدیں بنانے اور چراغ جلانے کی ممانعت فرمائی ہے، جیساکہ درج ذیل حدیث شریف سے ثابت ہوتا ہے جسے اصحابِ سُنن نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے:

لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زائرات القبور والمتخذین علیہا المساجد والسرج۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی زیارت کرنے والیوں اور ان پر مسجدیں بنانے والوں اور چراغ جلانے والوں پر لعنت فرمائی ہے

مسلم نے ابوالہیاج اسدی سے روایت ذکر کی ہے۔ حضرت علیؓ نے ان سے کہا،

الا ابعثك علی ما بعثنی علیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لا تدع قبرا مشرفا الا سویتہ ولا صورۃ الا طمستہا۔

کیا میں تمہیں (اس مشن پر) نہ بھیجوں، جس پہ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تھا اور وہ یہ کہ جس قبر کو بھی بلند دیکھو ہموار کردو اور جس تصویر کو بھی دیکھو مٹا دو۔

اگر ان اسلامی تعلیمات کے مطابق وہابی تحریک اونچے اونچے قبوں کے گرانے اور قبروں کے ہموار کرنے پر عمل پیرا نہ ہوتی، جبکہ اللہ تعالی نے اسے سرزمینِ حجاز میں قوت واقتدار بخشا، تو وہ یقیناً خائن ہوتی اور عمل کے بجائے محض نظری وکلامی دعوت ہوتی!

عجیب بات یہ ہے کہ اس وقت ایک طرف تو ڈاکٹر صاحب اور ان کے ہمنوا قبر پرست حضرات وہابی تحریک پر ناراض ہو رہے ہیں اور اسے تشدد پسندی کے طعنے دے رہے ہیں، تو دوسری طرف توحید خالص کے علمبردار حضرات اسے ملامت کر رہے ہیں کہ حرمین شریفین کے پاس بھی شرکیہ وبدعیہ امور کا ارتکاب ہوتا ہے، لیکن وہابی حضرات تسامح سے کام لیتے ہیں، یہاں شرک وبدعت کا ارتکاب ان لوگوں کی طرف سے ہوتا ہے جو سرزمینِ حجاز میں سعودی حکومت کے پرچم توحید کے لہرانے سے قبل صدیوں ان امور کے مرتکب رہے، لیکن وہابی دعوت میں ہمیشہ نرمی اور حکمت وموعظہ حسنہ کے ساتھ دعوت الی اللہ کا پہلو غالب رہا۔

ایک عظیم اسلامی اُصول

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ وہابیوں نے اپنے اور دیگر مسلمانوں کے مابین تفرقہ کی ایک خلیج حائل کر رکھی ہے کہ اپنے آپ کو تو موحد اور اہلِ توحید کہتے ہیں اور اپنے علاوہ دیگر مسلمانوں کو جو ان کے نقش قدم پر نہیں چلتے' انہیں مبالغہ کی حد تک مشرک تصور کرتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ دوسرے لوگ انہیں نہایت تشدد پسند اور عظیم اسلامی اصول ــــ توحید ــــ کے سمجھنے میں کوتاہ بین ــــ کہتے ہیں۔

وہابیوں کو تفرقہ بازی کا طعنہ دینے میں ہمیں ڈاکٹر صاحب سے شدید اختلاف ہے۔ غور فرمایئے کہ شریعتِ اسلامیہ نے جب یہ حکم دیا ہے کہ اونچی اونچی قبروں کو گرا کر زمین کے ہموار کر دو، تو شریعتِ مطہرہ کے اس حکم کے بجا لانے، توحید کی حفاظت کرنے اور اس کی مقدس چراگاہ کی طرف سے دفاع کرنے سے یہ کیسے ثابت ہوا کہ وہابی تفرقہ پسند ہیں۔ یہ کیسے لازم آیا کہ انہیں تشدد پسندی کے طعنے دیے جائیں اور یہ کیسے زیب دیتا ہے کہ انہیں آپ باقی مسلمانوں کے دشمن سمجھ لیں۔

کیا ڈاکٹر صاحب کو یاد نہیں کہ اصولِ فقہ کا ایک عظیم اصول اور قاعدہ "سدِ ذرائع" ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو انسان کو حرام امور کے ارتکاب تک پہنچائے، وہ بھی حرام ہے۔ اسی قاعدہ کے پیش نظر حضور سرورِ کائنات فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر مسجدیں بنانے سے منع فرمایا، کیونکہ یہ قبروں کی تعظیم اور عبادت کا ایک ذریعہ ہیں۔

طلوع و غروبِ آفتاب کے وقت نماز پڑھنے سے منع فرمایا، کیونکہ ان اوقات میں نماز پڑھنے سے ان لوگوں کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے جو سورج کے پجاری ہیں اور وہ انہی اوقات میں پرستش کرتے ہیں۔

بڑی بڑی تین مسجدوں یعنی مسجدِ حرام، مسجدِ نبوی اور مسجدِ اقصیٰ کے علاوہ اور کسی جگہ عبادت اور نماز کی نیت سے شدِّ رحال کر کے جانے کی ممانعت فرما دی گئی۔

اس بات سے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ ہم بعض لوگوں کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوں۔

آپ نے صحابہ کرام کو اس بات سے منع فرمایا کہ وہ آپ کی مدح و توصیف میں غلو اور مبالغہ سے کام لیں؛ چنانچہ آپ کا فرمان ہے:

لا تطرونی کما أطرت النصاری ابن مریم وانما انا عبد فقولوا عبد الله و رسوله۔	میری تعریف میں اس طرح مبالغہ آرائی سے کام نہ لینا جس طرح کہ عیسائیوں نے حضرت مسیح بن مریم کے بارے میں مبالغہ آرائی سے کام لیا۔ میں تو اللہ کا بندہ ہوں، لہٰذا تم مجھے اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔

آپ نے اس بات سے بھی منع فرمایا کہ آپ کی قبر پر میلہ منعقد کیا جائے، اسی لیے آپ نے فرمایا:

صلّوا علیّ حیثما کنتم فان صلاتکم تبلغنی	تم جہاں کہیں بھی ہو، تو مجھ پر دُرُود شریف بھیجو۔ تمہارا دُرود مجھے پہنچ جاتا ہے۔

آپ نے اس انسان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا، جس نے کہا تھا:

ما شاء الله وشئت	جو اللہ تعالیٰ اور آپ چاہیں

آپ نے فرمایا:

اجعلتنی لله نِدّا لله؟	کیا تو نے مجھے اللہ تعالیٰ کا شریک بنا دیا ہے؟
بل ما شاء الله وحده۔	بلکہ یہ کہو جو صرف اللہ چاہے۔

سدِّ ذرائع کے پیشِ نظر ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس درخت کے کاٹ

دینے کا حکم فرمایا تھا جس کے نیچے حدیبیہ کے مقام پر صحابہ کرام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعتِ رضوان کی تھی۔

ایک دفعہ حجرِ اسود کو بوسہ دیتے وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

انی اعلم انک حجر لا تضر ولا تنفع ولولا انی رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقبلک ما قبلتک۔

میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے۔ نفع اور نقصان تیرے اختیار میں نہیں۔ اگر میں نے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو کبھی بوسہ نہ دیتا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اس وقت قیادت سے معزول کر دیا تھا، جبکہ مسلمانوں کا لشکرِ جرار رومیوں سے برسرِ پیکار تھا اور سب مسلمان حضرت خالدؓ کی طرف امید بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے کہ ان کے زیرِ قیادت مسلمانوں کو رومیوں پر مکمل فتح نصیب ہو گی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو معزول صرف اس لیے کیا کہ لوگ کہیں فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

تو کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ ارشادات فرمائے، ان میں آپ نے مبالغہ سے کام لیا؟

یا کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ درخت کے کٹوانے اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے معزول کرنے کے باعث مبالغہ آرائی سے کام لے رہے تھے؟

جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات و افعال موجود ہیں اور آپ کے خلفائے راشدین کے اعمال بھی تو پھر صرف وہابیت ہی کو مبالغہ آرائی کا طعنہ کیوں دیا جاتا ہے؟

اگر بفرضِ محال یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ وہابیت نے مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے

تو یہ مبالغہ قابلِ ستائش ہے۔ اس کے نتیجے میں شرک کا استیصال ہوا اور اس وقت جزیرۃ العرب سے بت پرستی کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا گیا، جبکہ پورے عالمِ اسلام میں توحید و ایمان کی بنیادیں متزلزل تھیں۔

محترم ڈاکٹر صاحب! یہ مبالغہ تشدّد یا فہمِ توحید کے بارے میں کسی تنگ نظری کے شکار ہونے کی بات نہ تھی، بلکہ بات یہ تھی کہ ایک عظیم اسلامی اصول ــــ توحید ــــ کی طرف سے عائد ہونے والے فرض سے عہدہ برآ ہونا مقصود تھا۔

ڈاکٹر صاحب نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ توحید کے بارے میں وہابیت کے تشدّد کے باعث لوگوں میں تفرقہ پیدا ہوا تو یہ درست ہے، کیونکہ باطل کبھی بھی حق سے خوش نہیں ہو سکتا، لیکن اس تفرقہ بازی کے سلسلے میں وہابیت کو موردِ الزام نہیں ٹھہرایا جا سکتا، کیونکہ یہ تو تمام مسلمانوں کے سامنے یہ دعوت پیش کرتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس دینِ حق میں داخل ہو جائیں جس کی سچی تصویر قرآن کریم اور سنتِ مطہرہ نے پیش کی ہے اور جو انحراف اور ضلالت کی تمام آلائشوں سے پاک ہے۔

لہٰذا کسی کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ وہابیت سے کسی قسم کی چشم پوشی یا مداہنت کا مطالبہ کرے، بالخصوص توحید کے بارے میں، جو کہ دین کا اصول ہے، بلکہ توحید کے بارے میں اگر کسی مداہنت یا مصلحت کی بات آئے گی، تو یہ فوراً ایک طرف ہو جائے گی، خواہ دوسری طرف پوری دنیا ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ یہ ایک ایسا موضوع ہے کہ اس پر کسی قسم کی سودا بازی کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

جاہلیتِ اُولیٰ اور جاہلیتِ ثانیہ

پھر ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ قبروں کی زیارت اور اونچے اونچے قبّے بنانے سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ اس سے آغازِ اسلام کی وہ بت پرستی عود کر آئے گی جو اس وقت

عربوں میں عام تھی؛ لہٰذا اس وقت قبریں بنانے یا ان کی زیارت کرنے والوں کے بارے میں شرک کے خدشے کی کوئی وجہ نہیں۔ شرک کا ارتکاب یا وقوع تو بہت دُور کی بات ہے۔

اندازہ فرمایئے کہ ڈاکٹر صاحب امر واقع اور حقیقت سے کس قدر تجاہل سے کام لے رہے ہیں، گویا کہ وہ کچھ دیکھتے ہی نہیں، کچھ سنتے ہی نہیں، گویا وہ اس بیسویں صدی میں رہتے ہی نہیں جس میں دنیا سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کے باوجود مختلف قسم کی بُت پرستی میں مبتلا ہے۔

تعجب تو اس بات پر ہے کہ یہ بات ہم اس انسان سے سن رہے ہیں جو پچھلے دنوں قاہرہ اور مصر کے دیگر شہروں اور بستیوں کے اونچے اونچے قبوں اور مزارات کے سلسلے میں اہم عہدے پر فائز اور مسئول رہ چکے ہیں اور اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان قبروں اور مزاروں کے پاس کس طرح انواع واقسام کے شرک اور بُت پرستی کا ارتکاب ہوتا ہے۔ کیا ڈاکٹر صاحب زمانۂ جاہلیت کے عربوں کی بُت پرستی میں سے کسی ایسی بات کی نشاندہی فرما سکتے ہیں جو اس جاہلیتِ ثانیہ کے دور میں موجود نہیں ہے؟

معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے نزدیک جب ان شرک و بت پرستی کے اعمال سے مقصود لات و عزیٰ اور منات و ہبل کا تقرب ہو تو یہ شرک ہے اور انہی اعمال سے مقصود جب قبروں میں مدفون بزرگوں کا تقرب ہو تو یہ توحید ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی اس بات سے ہمارے سامنے یہ عقدہ بھی کھل گیا جو ابھی تک لاینحل چلا آرہا تھا کہ جب آپ وزیرِ اوقاف تھے، تو انصارِ توحید ان کی طرف بڑی بیقراری سے دیکھ رہے تھے کہ وہ وقت کب آتا ہے جب ڈاکٹر صاحب ان قبروں اور مزاروں پر ہونے والی خرافات کی اصلاح کے لیے کوئی مضبوط قدم اٹھائیں یا ان مزاروں ہی کو بند کر دیں اور زیارت کی اجازت نہ دیں اور پھر ان عرسوں اور میلوں ٹھیلوں کو

باطل اور لغو قرار دے دیں جو ان اصحاب قبور کے نام پر منعقد کیے جاتے ہیں۔ لیکن افسوس کہ انہوں نے ان میں سے کسی ایک کام کے سرانجام دینے کا بھی حوصلہ نہ کیا، گویا انہیں اس سے کوئی سروکار ہی نہ تھا۔

زندہ اور مُردہ خداؤں کی پرستش

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ اس بیسویں صدی میں جس بُت پرستی کا امکان ہے وہ پتھروں اور مُردوں کی پرستش نہیں ہے، بلکہ وہ زندہ خداؤں یعنی حکمرانوں اور بادشاہوں کی پوجا پاٹ ہے اور اس قبیل کی بُت پرستی ختم کرنے کے لیے قبروں کو گرانا اور ان کی زیارت کی ممانعت ضروری نہیں ہے، بلکہ اس کے خاتمے کے لیے تو حاکم و محکوم کے درمیان مساوات کا شعور پیدا کرنا چاہیے۔

ڈاکٹر صاحب کی یہ بات بھی درست نہیں ہے، کیونکہ پتھروں اور مُردوں کی پرستش دنیا میں ہر جگہ ہوتی رہی ہے اور علوم و فنون میں اس قدر بے پناہ ترقی کے باوصف ابھی تک انسان توہم پرستی اور فاسد خیالات سے نجات نہیں پا سکا۔

ڈاکٹر صاحب جانتے ہوں گے کہ مصر کے لوگ اعلیٰ ثقافت کے باوجود دوسروں کی نسبت خرافات اور توہمات میں کچھ زیادہ ہی مبتلا ہیں اور اس بات سے انکار محسوس چیز اور امرِ واقع کا انکار ہے، جو کہ ڈاکٹر صاحب جیسے فلسفی انسان سے تو کجا عوام الناس کے شایانِ شان بھی نہیں ہے۔

رہی زندہ خداؤں یعنی حکمرانوں کی پوجا پاٹ تو بحمداللہ وہابیت کے زیرِ سایہ اس کا کوئی وجود نہیں ہے، کیونکہ وہابیت تو بُت پرستی کی تمام انواع و اشکال سے برسرِ پیکار ہے۔ اس کے نزدیک زندہ اور مُردہ خداؤں کی پرستش کے مابین کوئی فرق نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ دولتِ سعودیہ ــــــ جو کہ وہابی نقطۂ نگاہ کی حامل ہے ــــــ حقیقی ڈیموکریسی

کے مطابق سوئے منزل رواں دواں ہے۔ یہاں کے باشندے حاکم و محکوم کے درمیان کوئی فرق محسوس نہیں کرتے، بلکہ ہر باشندہ یہ محسوس کرتا ہے کہ حاکم صرف انہی کی مصلحت کے لیے متعین کیے گئے ہیں۔ یہاں کے حکمران کا معاملہ اپنی رعایا کے ساتھ وہ ہے جو ایک شفیق باپ کا اپنے بچوں کے ساتھ ہوتا ہے؛ چنانچہ وہ ریاض کے قصرِ حکم میں ہر جمعرات کو جب بیٹھتے ہیں، تو ملک کے سب باشندے بلاتمیز و تفریق ان کے پاس سلام کے لیے، مطالبات کے لیے یا ازالۂ شکایات کے لیے آسکتے ہیں۔ حکمران بھی اپنے لیے حکومت کو غلبہ و تسلّط کا باعث تصور نہیں کرتے، بلکہ اسے فریضہ و مسؤلیت سمجھتے ہیں۔

اس سے قبل موجودہ حکمران کے والدِ محترم، مرحوم و مغفور جلالۃ الملک عبدالعزیز ڈیموکریسی اور حکمرانی کی ایک بلند پایہ مثال تھے۔ ہم ریاض میں کالج میں زیرِ تعلیم تھے، ہر ہفتے آپ کی مجلس میں حاضری دیتے۔ آپ جب محفل میں تشریف فرما ہوتے، تو نہایت شاداں و فرحاں ہوتے، اسلام اور مسلمانوں سے متعلق امور میں پوری پوری دلچسپی لیتے تھے۔

لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب وہابی تحریک کی نسبت سے زندہ خداؤں کی پرستش کے خاتمے کے لیے تو زور دیتے ہیں، لیکن یہ بھول گئے ہیں کہ وہ خود بھی جب وزیرِ اوقاف تھے، بالفعل اس وثنیت کے مرتکب رہے ہیں۔ بالخصوص اپنی وزارت کے ملازمین کے ساتھ تو ان کا رویہ اس قدر ناشائستہ اور درشت تھا کہ اس کا جتنا تصور بھی کیا جائے کم ہے۔

صحابہ کرامؓ، تابعینؒ اور ائمہ سلف کا مذہب

پھر ڈاکٹر صاحب نے مزید لکھا ہے کہ یہ ایک عجیب قسم کی تحریک ہے کہ صفاتِ باری تعالیٰ کے بارے میں نہ تو معتزلہ کی طرح یہ رائے رکھتی ہے کہ صفاتِ باری تعالیٰ

عین ذاتِ الٰہی ہیں، غیر ذات نہیں ہیں اور نہ ہی اشاعرہ کی طرح یہ رائے رکھتی ہے کہ یہ نہ غیر ہیں اور نہ عین ہیں۔

جی ہاں! یہ تحریک معتزلی واشعری افکار وآراء کو تسلیم نہیں کرتی، بلکہ صفاتِ باری تعالیٰ کے بارے میں ببانگِ دُہل مذہب سلف صالح کے اتباع کا اعلان کرتی ہے اور یہ کوئی مخفی امر نہیں، بلکہ نہایت واضح ہے، بلکہ شائد اس وقت یہی وہ واحد اسلامی تحریک ہے جو اپنے افکار و نظریات کی بنیاد سلف صالح کے مذہب پر رکھتی ہے اور مقدور بھر اس مذہب کی نشر واشاعت اور اس کی طرف دعوت کے سلسلے میں سرگرم عمل ہے. خصوصًا ان کتب و رسائل کی طباعت واشاعت کے ذریعے جو قدیم وجدید دور میں اس مذہب کی تائید میں لکھے گئے ہیں۔ سعودی عرب میں تمام تعلیمی مراحل میں صرف اسی مذہب کی تعلیم دی جاتی ہے اور اس کے بالمقابل کسی دوسرے مذہب کی اجازت نہیں دی جاتی۔

اب غور فرمایئے کہ ڈاکٹر صاحب کی اس بات میں کیا وزن ہے کہ یہ تحریک صفاتِ باری تعالیٰ کے متعلق اشاعرہ و معتزلہ کی رائے کی پابند نہیں ہے. کیا یہ کوئی عیب کی بات ہے کہ اس تحریک نے ان دو گمراہ مذہبوں میں سے کسی ایک کی پیروی نہیں کی ؟ بلکہ اس کے مقابلے میں سلف صالح یعنی حضرات صحابہ کرامؓ، تابعین عظام اور ائمہ ہداۃ کے مذہب کو اختیار کیا ہے جیسا کہ اس سے قبل شیخ الاسلام حضرت امام ابن تیمیہؒ اور آپ کے ارشد تلامذہ نے اختیار کیا تھا۔

یہ تحریک دوسروں کی طرح صفاتِ باری تعالیٰ سے متعلق کسی مشکل میں مبتلا نہیں ہے اور نہ اسے مناقشہ اور جدال و نزاع کا موضوع سمجھتی ہے، بلکہ نہایت شرح صدر اور فراخ دلی کے ساتھ اس اولین اسلامی عقیدے کی علمبردار ہے جو کہ متکلمین کی پیدا کردہ ان موشگافیوں سے قبل تھا۔

یہ تحریک تخریبی نہیں، بلکہ تعمیری ہے

ڈاکٹر صاحب نے وہابی تحریک کی بنیادوں کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا تھا۔ ان پر تنقید و تبصرہ تو ہم گزشتہ صفحات میں پیش کر چکے ہیں اور اب ہم ان خیالات کا جائزہ لیتے ہیں جن کا ڈاکٹر صاحب نے تحریک کے بارے میں اظہار کیا ہے۔

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ فکری اعتبار سے ہم نے اس تحریک کے جن عناصر کا تذکرہ کیا ہے، ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے:

اولاً، اٹھارہویں صدی عیسوی کی امام محمد بن عبدالوہابؒ کی یہ تحریک ایک معین و مخصوص مذہب یعنی امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی اساس پر استوار ہوئی تھی، چونکہ یہ اس خاص مذہب کی پیروکار ہے، لہٰذا دیگر اسلامی مذاہب کے ساتھ تمسک کو درست نہیں سمجھتی۔

ڈاکٹر صاحب گویا وہابی تحریک پر ایک یہ بھی الزام لگاتے ہیں کہ اس نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی تقلید کیوں کی اور فقہی فروعات میں ایک نئے مذہب کی داغ بیل کیوں نہ ڈالی۔ ڈاکٹر صاحب شاید یہ چاہتے ہیں کہ وہابی تحریک کو کسی مذہب کی اتباع نہیں کرنی چاہیے تھی، بلکہ معروف مذاہب اربعہ کے ساتھ ایک پانچویں فقہی مذہب کا اضافہ کرنا چاہیے تھا۔

یاد رہے وہابی تحریک کا مقصد فروعات میں اجتہاد نہیں تھا، بلکہ اس کا مقصد اصولوں میں تصحیح تھا، کیونکہ فروع کا معاملہ تو آسان ہے اور امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس انسان کے لیے تقلید جائز ہے جو اجتہاد پر قدرت نہ رکھتا ہو اور جس کے پاس وسائلِ اجتہاد وافر نہ ہوں، کیونکہ ہم امت کے ہر فرد سے یہ تو مطالبہ نہیں

کرسکتے کہ وہ مجتہد ہو، لہٰذا ڈاکٹر صاحب کا یہ کہنا کہ اس تحریک کی اساس حنبلی مذہب پر ہے، درست نہیں ہے، کیونکہ اس تحریک نے کبھی بھی حنبلی مذہب کی طرف دعوت نہیں دی؛ بلکہ بات صرف اتنی ہے کہ اس تحریک کے بانی فروع میں حنبلی تھے۔ بالفرض تحریک کے بانی مالکی یا شافعی ہوتے، تو اس سے بھی دعوت میں کوئی فرق نہ آتا، کیونکہ دعوت تو مذاہب کے ماننے والوں کے لیے عام ہے اور اس تحریک کی سب سے بڑی، اہم اور بنیادی غرض و غایت عقائد کو شرک کی آلائشوں سے پاک صاف کرنا اور خرافات و بدعات کے خلاف جنگ کرنا ہے۔ اگر ڈاکٹر صاحب کی بات درست ہوتی، تو یہ تحریک صرف حنبلی مذہب سے وابستہ افراد کی اصلاح تک محدود ہوتی اور دیگر وابستگانِ مذاہب کی اصلاح وہدایت کے لیے جدّ و جہد نہ کرتی۔

مذہبی جھگڑا اس تحریک کا کام نہیں

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ یہ تحریک سلف صالح کے مذہب کی طرف رجوع کی دعوت دیتی ہے، تو اس سے صرف یہ مراد ہوتی ہے کہ فقہ میں محض قرآن مجید اور حدیثِ صحیح کے نصوص کا التزام کیا جائے اور تشریع کے اس دائرہ میں یہ ہمیشہ لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں۔ مقصد صرف یہ ہے کہ یہ لوگوں کو قیاس اور عرفِ عام سے دُور کر دیں۔

ڈاکٹر صاحب نے یہاں دو متناقض باتیں کہی ہیں، پہلے تو انہوں نے یہ کہا تھا کہ یہ تحریک حنبلی مذہب کی پیروکار ہے اور اب یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ تحریک مذہبِ سلف کی طرف رجوع کی دعوت دیتی ہے، قرآن مجید اور حدیث صحیح کے نصوص کا التزام کرتی ہے اور دائرۂ تشریع میں قیاس اور عرف سے دُور رہتی ہے۔ اس کے بعد خود ہی انہوں نے یہ کہہ دیا ہے کہ یہ تحریک مذہبِ سلف کی طرف رجوع کی دعوت دیتی ہے

اور مذہبی میدان میں لڑتی جھگڑتی رہتی ہے۔ مذہبِ سلف کی طرف رجوع کی بات تو درست لیکن لڑائی جھگڑے والی بات کا حقیقت سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ ڈاکٹر صاحب کی یہ ساری بات ہی غلط ہے مقدمات بھی غلط ہیں اور نتائج بھی صحیح نہیں۔ اس تحریک نے عقائد میں جن کی حیثیت اصول کی ہے۔ مذہبِ سلف کی طرف رجوع کی دعوت دی' کیونکہ سلف عقائد میں خوارج ،شیعہ ،قدریہ ، مرجئہ ،جہمیہ اور دیگر گمراہ کن فرقوں کے برخلاف ایک ہی رائے پر متفق تھے۔

فروع میں سلف کسی ایک خاص مذہب کے پابند نہ تھے، لہٰذا اس تحریک کے اس کی طرف رجوع کی دعوت دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ڈاکٹر صاحب نے جو یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ تحریک قیاس اور عرف کو صحیح نہیں سمجھتی، تو یہ دعویٰ بھی درست نہیں ہے، بلکہ یہ تو اہلِ ظاہر کا مذہب ہے۔ اس تحریک کو تو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی اس رائے سے اتفاق ہے کہ نص کو قیاس سے مقدم سمجھا جائے گا، خواہ وہ ضعیف ہی کیوں نہ ہو، اسی طرح ڈاکٹر صاحب کی اس بات میں بھی کوئی صداقت نہیں ہے کہ یہ لوگ ہمیشہ لڑتے جھگڑتے ہی رہتے ہیں۔

لڑائی جھگڑا اس تحریک کا کام نہیں ہے اور نہ اسے کوئی ہدف قرار دیا گیا ہے، بلکہ یہ تحریک تو اختلافی مسائل میں مذہبی تعصب سے بہت دور ہے۔ اس کی دلیل کے طور پر اتنا عرض کرنا ہی کافی ہوگا کہ اس وقت شریعت کالج مکہ مکرمہ میں فقہ کی اعلیٰ تعلیم کے لیے فقہ حنبلی کے ساتھ ساتھ دیگر تمام فقہی مذاہب کی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔

اس حقیقت میں بھی کوئی شک نہیں کہ مختلف آراء کے قبول کرنے کے سلسلے میں جس قدر حنبلی مذہب میں وسعتِ قلبی ہے کسی دوسرے مذہب میں نہیں ہے، کیونکہ شاذ و نادر ہی کوئی ایسا فقہی مسئلہ ہوگا جس میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے دو یا تین روایتیں منقول نہ ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ اس مذہب کے علماء کے سامنے اختیار

اور ترجیح کی اس قدر آزادی ہے کہ یہ آزادی کبھی کبھی حنبلی مذہب ہی سے دُور لے جاتی ہے جیسا کہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ اور ان کے شاگردِ رشید امام ابن قیمؒ کے وہ اختیارات معروف ہیں، جن میں وہ جمہور حنابلہ سے منفرد ہیں۔

اسی طرح "المغنی" کے مصنف علامہ ابن قدامہؒ نے اپنی اس عظیم الشان کتاب میں ذکر فرمایا ہے کہ وہ ایک ایک مسئلہ ذکر کرتے ہوئے تمام مذاہب اور ان کے دلائل بھی ذکر فرمائیں گے اور صرف اس مذہب کو ترجیح دیں گے جس کے دلائل قوی تر ہوں گے، خواہ وہ حنبلی مذہب نہ ہو تو فرمایئے وہابی تحریک میں کہاں ہے؟ مذہبی لڑائی جھگڑا لوکہاں ہیں؟ اس لڑائی جھگڑے کے آثار ومظاہر؟

وہابیت اور اسلامی میراث

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ اس تحریک نے اپنے آغاز میں اس بات کا التزام نہ کیا کہ علمی انداز میں فقہی مذاہب اور تشریع ومعاملات میں مسائل اور مذاہب عقیدہ کے ذاتِ باری تعالیٰ کے تصور اور اعتقاد کے بارے میں ان سب کی نفی کرکے کوئی نئی راہ اختیار کی جاتی۔

جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں ڈاکٹر صاحب کے اس کلام کا معنی یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہابی تحریک نے ان تمام فقہی مذاہب کا خاتمہ کیوں نہ کر دیا، جو مسلمانوں میں پیدا ہوئے ہیں۔ مکمل مذہبی عصبیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے تحریک کو صرف صالح عنصر کے سوا باقی سب کچھ لغو قرار دے دینا چاہیئے تھا۔

تعجب ہے کہ یہ خطرناک بات ہم ڈاکٹر صاحب جیسے فلسفی انسان سے سُن رہے ہیں جو کہ رائے کی آزادی پر ایمان رکھتے ہیں اور اجتہاد کے دروازے کو کھلا رکھنے کی دعوت دیتے ہیں، کیونکہ اجتہاد کے دروازہ کو بند کرنا جیسا کہ انہوں نے اپنی کتاب

میں ذکر کیا ہے۔ جمود، تعطل اور زندگی میں پیش آمدہ نئے نئے مسائل سے عہدہ برا نہ ہو سکنے کے مترادف ہے۔

خدانخواستہ اگر وہابی تحریک اس قسم کی حماقت کو پیشِ نظر رکھتی، تو وہ اپنی تاریخ کی ایک عظیم غلطی کا ارتکاب کر بیٹھتی اور عصرِ حاضر کے تمام عالمِ اسلام کی ناراضی کو مول لے لیتی۔

ڈاکٹر صاحب بلاوجہ وہابی تحریک پر مذہبی تعصب کا الزام لگاتے ہیں۔ اگر خدانخواستہ یہ تحریک فی الواقع اس قسم کے تخریبی پروگرام کو پیش نظر رکھتی تو نہ معلوم ڈاکٹر صاحب کن کن القاب سے نوازتے، کیونکہ ان فقہی مذاہب سے وابستہ بڑے بڑے ائمہ کرام ہیں جنہوں نے اپنی عمریں اجتہاد میں صرف کر دیں اور پھر ان مذاہب کے تعلیل و استنباط اور موازنہ کے بارے میں باقاعدہ قواعد و ضوابط ہیں۔ فقہ اسلامی جو کہ اپنے دامن میں عظیم الشان تشریعی دولت سموئے ہوئے ہے اور جسے پیش آمدہ نئے نئے مسائل اور زندگی کے تقاضوں اور مطالبات سے عہدہ برآ ہونے پر مکمل دسترس حاصل ہے۔ اس امت کا انتہائی قابلِ فخر کارنامہ ہے، تو وہ تحریک جو کہ تعمیر کے لیے شروع ہوئی نہ کہ تخریب کے لیے۔ اس سے یہ کیسے توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ قصورِ فہم اور کوتاہیٔ نظر کا ثبوت دیتے ہوئے اس عظیم الشان ملی سرمایہ کو ناشائستہ اعتماد قرار دے؟

اگر خدانخواستہ تحریک کے سامنے ایسا کوئی پروگرام ہوتا، تو کیا ڈاکٹر صاحب اس سے اتفاق فرماتے؟ ہرگز نہیں، کیونکہ وہ تو اپنی کتاب میں فقہی تحریک اور اس کے تدریجی ارتقاء کی تعریف کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور حقیقت بھی یہ ہے کہ فقہ اسلامی کے مذاہب اور مکاتبِ فکر کی کثرت اس بات پر دلالت کناں ہے کہ اسلام پیش آمدہ نئے نئے مسائل و حوادث کے حل کے لیے پوری پوری صلاحیت رکھتا ہے۔

عقائد کے بارے میں خصوصاً اللہ عزوجل کی ذاتِ اقدس کے متعلق تصور اور پھر اس کے مطابق اعتقاد رکھنے کے اعتبار سے تو بلاشک وشبہ اس تحریک نے وہی دعوت پیش کی جو کہ آغازِ اسلام کے وقت پیش کی گئی تھی؛ چنانچہ اس تحریک کے نتیجے میں لوگوں کے عقائد میں ایک عظیم انقلاب پیدا ہوگیا، بلکہ کہنا یوں چاہیئے کہ لوگوں نے اوّلین صحیح عقائد کو اپنا لیا اور ان تمام غلط قسم کے عقائد کے خلاف اعلانِ جنگ کیا جو کہ مختلف طرزِ فکر رکھنے والوں نے بعد میں پیدا کیے ہیں۔ اس اعتبار سے تحریک شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی جاری کردہ اس عظیم الشان تحریک کا تتمہ ثابت ہوئی، جو آپ نے عقائد کی تصحیح اور اصلاح کے لیے شروع فرمائی تھی۔

تقلید نہیں، بلکہ اتباعِ حق

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ وہابی تحریک بھی تقلید پر مبنی ہے۔ یہ مذاہبِ اسلامیہ پر نقد ونظر، عقیدہ، تشریع، معاملات اور فقہ عبادات کے سلسلہ میں مستقل تجدیدی بنیادوں پر استوار نہیں ہے، بلکہ یہ شیخ تقی الدین بن تیمیہؒ کی تحریک کی تقلید ہے۔

معلوم نہیں ڈاکٹر صاحب اس تحریک کے تبعیت اور عدم ابتکار وتجدید پر کیوں برس رہے ہیں؟ حالانکہ تقلید مطلقاً کوئی بُری چیز ہے اور نہ ہی تجدید مطلقاً کوئی قابلِ ستائش چیز ہے۔ ڈاکٹر صاحب اس بات کے بھی مشتاق نظر آتے ہیں کہ تحریک کی زیادہ سے زیادہ خطائیں شمار کرائیں، خواہ ایک بات کو مختلف انداز میں ہی کیوں نہ ذکر کریں؛ چنانچہ انہوں نے نمبر ا سے نمبر ۴ تک جو بیان کیا ہے، وہ ایک ہی بات ہے، جسے الفاظ کے اُلٹ پھیر کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

جیسا کہ ہم نے قبل ازیں ذکر کیا، اس تحریک کا مقصد کسی نئے فقہی مذہب کی داغ بیل ڈالنا نہ تھا، بلکہ اس کا مقصد توحیدِ خالص یعنی شرک کی آلائشوں سے پاک اور منزہ توحید

کی دعوت اور عقائد کے سلسلے میں سلف صالح کے مذہب کا احیاء تھا اور اگر اس ضمن میں تحریک نے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے کلام سے استفادہ کیا ہے تو اسے تقلید نہیں کہا جائے گا، بلکہ یہ تو حق کی حق سے موافقت ہے۔ مثال کے طور پر یوں سمجھیے کہ ڈاکٹر صاحب اگر کسی مغربی فلسفی کے افکار و نظریات کا مطالعہ کریں اور وہ انہیں بہت اچھے معلوم ہوں۔ نیز غور و فکر کے بعد یہ بھی معلوم ہو جائے کہ یہ نظریات صحیح ہیں، تو کیا اس صورت میں یہ جائز ہوگا کہ ہم کہیں کہ ڈاکٹر صاحب نے فلاں مغربی فیلسوف کی تقلید کی ہے؟

تقلید کے معنی تو یہ ہیں کہ پہلے لوگوں کے افکار و آراء کو ان کے دلائل و براہین پر نظر کیے بغیر اپنا لیا جائے اور اگر دلائل کا جائزہ لے کر اور ان کی صحت پر وثوق حاصل کرنے کے بعد انہیں اختیار کیا جائے، تو یہ تقلید نہیں۔ اگر بفرضِ محال اسے تقلید سے تعبیر کر بھی لیا جائے، تو پھر بھی تحریک کے لیے یہ کوئی عیب کی بات نہیں کہ اس نے حق کی تقلید کی ہے اور راہِ حق میں اپنے پیشرووں کے نقشِ قدم کو اختیار کیا ہے۔

بلاشک و شبہ اس تحریک نے گمراہ فرقوں یعنی معتزلہ، جہمیہ، اشعریہ اور مرجئہ وغیرہ کے ردّ و ابطال کے سلسلے میں وہی موقف اختیار کیا ہے، جو شیخ الاسلام ابنِ تیمیہؒ کا موقف تھا، اسی طرح ایجابی اعتبار سے یعنی مذہبِ سلف کے احیاء کی دعوت، مذہبِ سلف کا بیان اور اس مذہب کے دلائل و براہین کے تذکرہ کے لیے بھی شیخ الاسلام ہی کے موقف کو اختیار کیا گیا ہے۔

کاش! ڈاکٹر صاحب وہ سب کچھ پڑھ لیتے جو اس تحریک کے بانی اور ان کے بعد آنے والے علماء کرام نے لکھا ہے تو جمود اور سلبیت کے یہ طعنے نہ دیتے، بلکہ ان کا نظریہ کچھ اور ہوتا اور تحریک کے بارے میں اس قدر درشتی و سختی کا مظاہرہ نہ فرماتے۔

اس تحریک کا قابلِ فخر کارنامہ

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ اس تحریک کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے افکار و آراء کی حفاظت کی اور چار سو سال بعد اٹھارہویں صدی عیسوی میں شیخ محمد بن عبدالوہاب کی تحریک نے ان افکار و نظریات کو جس قدر اہمیت دی کبھی نہیں دی گئی تھی!

ڈاکٹر صاحب کی یہ بات مبنی بر عدل و انصاف ہے اور یہ حقیقت ہے کہ وہابی تحریک نے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے افکار و آراء کی حفاظت کی ہے، انہیں اہمیت دی ہے اور ان کے احیاء اور نشر و اشاعت کے لیے قابلِ ستائش مساعئ جمیلہ انجام دی ہیں اور بلاشک و شبہ یہ اس تحریک کا قابلِ صد فخر کارنامہ ہے، جسے ہمیشہ ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ شیخ الاسلام کے کتب و رسائل گوشۂ گمنامی میں طاقِ نسیاں کی زینت بنے ہوتے تھے۔ ملحدوں اور بدعتیوں نے ان کے خلاف فضا کو بہت مکدر کر دیا تھا۔ ان کے پڑھنے پڑھانے سے لوگوں کو ڈراتے تھے، بلکہ یہاں تک کہہ رہے تھے کہ کتبِ فلاسفہ کی طرح ان سے استنجاء کرنا بھی جائز ہے۔

الغرض جب مبارک تحریک سرگرم عمل ہوئی تو اس نے لوگوں کو علم کے ان بیش بہا اور گراں قیمت موتیوں سے روشناس کرایا اور عظیم الشان ثروت سے پردہ اٹھایا، جسے شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور آپ کے تلمیذ رشید امام ابن قیم جوزیہ رحمہما اللہ چھوڑ گئے تھے۔ اس تحریک سے وابستہ لوگوں نے علم کے ان مخفی خزانوں کو زیورِ طباعت سے آراستہ کرا کے ظاہر کر دیا۔ اس سلسلہ میں جلالۃ الملک عبدالعزیز غفراللہ لہ اجزل مثوبتہ۔ بطورِ خاص قابلِ ذکر ہیں کہ ان کے اہتمام و عنایت کے باعث ان عظیم المرتبت شیخین کی کتب اس قدر کثرت سے طبع ہوئیں کہ عوام و خواص کی لائبریریاں بھر گئیں۔ سلفی عقائد جو کہ صرف علمِ کلام کی کتب کے صفحات پر اور وہ بھی برائے نام ملتے تھے اور انہیں حشویہ یا عوام کے عقائد سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ اب ان دو اماموں کی کتب

کی اشاعت اور ان کے مطالعہ و قرأت کے باعث صحیح طور پر نمایاں ہوئے اور انہیں وہ اہمیت حاصل ہوئی جو ان کی شان کے لائق تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ زمانے گزر گئے، لیکن ان دو اماموں جیسا اور کوئی پیدا نہیں ہوا جسے ان کی طرح معقول و منقول پر دسترس حاصل ہو۔ ان کی کتب منارۂ نور ہیں جو ہر اس انسان کے سامنے صحیح فکر اور خواہش و تقلید سے اجتناب کی راہ منوّر کر دیتی ہیں جو ان سے کسبِ ضو کرے۔

اب بحمد اللہ اطراف و اکنافِ عالم خصوصًا علمی محافل و مجالس میں ان دونوں بزرگوں کی آراء کو نہایت وقعت و اہمیت کا حامل قرار دیا جاتا ہے۔

تحریک تجدید و احیائے دین

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ اس تحریک نے ابنِ تیمیہؒ کی آراء کے لیے ایک پُل کا کام دیا جس سے گذر کر یہ آراء و افکار نژادِ نو کے پاس پہنچے۔ نیز یہ تحریک سعودی حکومت کے لیے دست و بازو اور بقاء و استمرار کے لیے باعثِ تقویت ثابت ہوئی۔

ہم ڈاکٹر صاحب سے اتفاق نہیں کر سکتے کہ یہ تحریک محض پُل تھی جس سے گذر کر ابن تیمیہؒ کے افکار و نظریات آنے والی نسلوں کے پاس پہنچے، بلکہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے آراء و افکار نظری اعتبار سے اس تحریک کا اساسی جزء ہیں، کیونکہ ان دونوں کے درمیان فرق و امتیاز ممکن نہیں اور ایک دوسرے سے الگ قرار دیا ہی نہیں جا سکتا۔

ڈاکٹر صاحب کا یہ کہنا کہ یہ تحریک سعودی حکومت کے لیے دست و بازو اور بقاء و استمرار کے لیے باعثِ تقویت ثابت ہوئی، بالکل درست ہے اور شک و شبہ سے بالاتر۔ سعودی حکمران خاندان نے بھی اس عہد و پیمان کو سچ ثابت کر دکھایا جو انہوں نے اس تحریک کے بانی سے کیا تھا، یعنی یہ کہ ان کی حمایت کریں گے اور ان کے دشمنوں معطلہ قبر پرستوں اور صوفیوں کے خلاف ان کی طرف سے دفاع کریں گے۔ سعودی حکمران خاندان

کی نصرت واعانت بجا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس تحریک کی ذاتی قوت، آل شیخ کی مساعیٔ جمیلہ اور تحریک سے وابستہ علماء کرام کی قربانیاں بھی تحریک کی کامیابی کے لیے بہت مؤثر ثابت ہوئیں۔

پھر ڈاکٹر صاحب مزید لکھتے ہیں کہ شیخ ابن تیمیہؒ کے بعد وہابی تحریک ہی وہ اسلامی تحریک ہے جس نے عموماً نقد و تبصرہ کے انداز کو اپنایا اور اسی انداز کو انیسویں اور بیسویں صدی میں جنم لینے والی دیگر اسلامی تحریک تک پہنچایا۔ یہ تحریک گویا دیگر اسلامی تحریکوں کے لیے پیش خیمہ ثابت ہوئی، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اس تحریک کو اس عہد پر آشوب میں اولیت کا اعزاز حاصل ہے۔

ڈاکٹر صاحب کے اس کلام سے بھی تحریک کے لیے عدل و انصاف ظاہر ہو رہا ہے اور تحریک نے مسلم معاشرے کی بیداری نیز اسلامی عقائد کی تصحیح اور ملاوٹوں کی آمیزش سے تنزیہہ کا جو بیڑہ اٹھایا نیز اسی مقصد کی خاطر ابھی تک سرگرمِ عمل ہے۔ ڈاکٹر صاحب اس کی ستائش کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، نیز آپ اس بات کا بھی اعتراف کرتے ہیں کہ یہ ایک ایسی تحریک ہے جس نے تجدید و احیائے دین کے میدان میں نمایاں خدمات سرانجام دی ہیں۔

البتہ آپ کی اس بات سے ہم اتفاق نہیں کر سکتے کہ یہ فقط ایسی تحریک تھی جس نے محض تنقید و تبصرہ کی راہ کو اختیار کیا اور سابقہ تحریکوں کے افکار و نظریات کو آگے پہنچایا، گویا آپ کے خیال میں یہ تحریک صرف ناقل تھی جس نے متقدمین کے نظریات کو متاخرین کے پاس پہنچانے کا فریضہ انجام دیا، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ تجدید و احیائے دین کے سلسلے میں یہ ایک مستقل تحریک ہے۔ تنقید و تبصرہ کا پہلو تو اس لیے نمایاں نظر آتا ہے کہ اس تحریک کے مخالفین کی تعداد بکثرت رہی ہے، البتہ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ دقتِ نظر اور عمق کے اعتبار سے اس تحریک کی تنقید کا درجہ وہ نہیں ہے جو شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ

کا تھا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جس دور میں اس تحریک نے نشوونما پائی۔ اس دور میں تنقیدی تعلیم وتدریس اور اسلوب مناظرات کا رواج کم تھا۔

دو غلطیاں

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ یہ ایک مشہور بات ہے کہ ابن تیمیہؒ شیعہ حضرات کے غالی فرقہ جنہیں وہ رافضیہ کہتے ہیں، کی تردید میں بہت سرگرم تھے۔ نیز وہ باطنیوں اور تعلیمیوں کو بھی بطورِ خاص اپنی تنقید کا ہدف بنایا کرتے تھے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ جب وہابی تحریک ابن تیمیہ کے علوم ومعارف کی وارث بنی اس نے اٹھارہویں صدی عیسوی میں شیعی عقائد و افکار کی تصویرکشی میں بہت مبالغہ سے کام لیا اور اہل سنت اور اہل تشیع کے مابین اختلافات کو بہت بھڑکا دیا۔ یہ اس تحریک کا گویا منفی پہلو تھا۔

ایک ہی سانس میں ڈاکٹر صاحب نے دو غلطیوں کا ارتکاب کیا ہے۔ ایک غلطی تو شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی نسبت سے اور دوسری غلطی وہابی تحریک کے اعتبار سے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے بارے میں تو انہوں نے یہ غلط بیانی کی ہے کہ آپ شیعوں کے غالی فرقوں بالخصوص روافض، باطنیوں اور تعلیمیوں ہی کی تردید کیا کرتے تھے۔ یہ بات بالکل غلط ہے، کیونکہ شیخ الاسلام تو شیعہ کے سبھی فرقوں کی تردید میں یکساں سرگرم تھے، خواہ وہ غالی ہوں یا اعتدال پسند۔ آپ ان سب کو حق کے جادۂ ومنزل سے منحرف اور مومنوں کی راہ سے الگ راہ پر چلنے والے سمجھتے تھے، کیونکہ سب شیعہ مبادیات میں مشترک ہیں اور ان کے مبادیات روحِ اسلام سے کوسوں دُور ہیں، مثلاً رجوع، تقیہ، عصمتِ ائمہ اور سب وشتم صحابہ کرام وغیرہ۔

وہابی تحریک کے بارے میں ان کا یہ دعویٰ سراسر غلط ہے کہ اس نے اہل سنت واہل تشیع کے مابین اختلافات کی خلیج کو وسیع کیا اور غالی ومعتدل کے مابین تفریق

کیے بغیر سب کو ایک ہی نظر سے دیکھا ہے۔

وہابی تحریک کا شیعہ کے بارے میں وہی موقف ہے جو سب اہل سنت کا ہے، البتہ تحریک نے ان غالی شیعوں کے بارے میں ضرور سخت موقف اختیار کیا ہے جنہوں نے اہل بیت کے بارے میں اس قدر غلو سے کام لیا کہ انہیں دائرۂ بشریت ہی سے نکال دیا ہے۔

وہابی تحریک شیعوں کے ساتھ اس قسم کا کوئی سمجھوتہ نہیں کرسکتی جس طرح کہ مصری جماعت "التقریب" نے شیعوں کے ساتھ کیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب بھی شاید اس کے رکن تھے۔ اختلاف چونکہ مبادیات، اساسیات اور بنیادی اصولوں میں ہے، لہٰذا سمجھوتے کا کوئی جواز نہیں!

درج ذیل امور بھی ڈاکٹر صاحب کی اس بات کی تردید کرتے ہیں کہ وہابی تحریک نے شیعہ کی تردید میں بہت مبالغے سے کام لیا ہے۔

سعودی عرب کے کئی شہروں مثلاً احساء اور قطیف وغیرہ کے باشندوں کی اکثریت شیعہ ہے اور وہ جلالۃ الملک الفیصل[1] حفظہ اللہ کی حکومت سے تعلیم، صحت، زراعت اور مواصلات کے سلسلے میں اسی طرح مراعات حاصل کر رہے ہیں جس طرح دیگر ملکی باشندے۔ سعودی حکومت کے ان تمام ممالک کے ساتھ بھی نہایت خوش گوار اور برادرانہ تعلقات ہیں جن میں شیعہ کو اغلبیت حاصل ہے، مثلاً ایران، پاکستان[2]، لبنان۔

---

[1] جلالۃ الملک فیصل المعظم ۲۵ مارچ ۱۹۷۵ء کو شہید کر دیے گئے اور اب آپ کے برادر عزیز شاہ فہد بن عبدالعزیز (حفظہ اللہ تعالیٰ) سعودی عرب کے فرماں روا ہیں۔ (مترجم)

[2] پاکستان کے بارے میں فاضل مصنف سے سہو ہوا ہے، کیونکہ یہاں تو اہل سنت کے ہر فرقے کے مقابلے میں شیعہ حضرات کی تعداد کم ہے۔ (مترجم)

کثیر تعداد میں شیعہ ہر سال بیت اللہ شریف کا حج کرتے ہیں اور یہاں کی انتظامیہ کی طرف سے وہ بالکل اسی طرح کی سب سہولتیں حاصل کرتے ہیں جس طرح مسلمان حجاج کرام!

محض سُنی سُنائی باتیں

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

"اس کے ساتھ ساتھ تحریک کا ایک اور منفی پہلو بھی ہے اور وہ ہے قبور اور ان کی زیارت کے مسئلہ کا پہلو۔ اس تحریک کا قبروں کی طرف شدِ رحال کی حرمت میں تشدد، درحقیقت تحریک سے وابستہ حکمرانوں کی سیاسی اغراض کے پیشِ نظر تھا۔ انہی اغراض کے پیش نظر انہوں نے قبروں کو گرایا، مُردوں کی حرمت کو پائمال کیا اور بعض صحابہ کرام — دعوتِ اسلامی کے بارے میں جن کے اثر و نفوذ کا انکار ہی نہیں کیا جا سکتا — کی قبروں کی بے پناہ بے حرمتی کی گئی۔"

ڈاکٹر صاحب کی اس بات سے یہ بالکل روزِ روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ ان جیسا فلسفی آدمی بھی محض سنی سنائی باتوں سے متاثر ہو کر تحقیق کیے بغیر یہ سب کچھ لکھ رہا ہے، ورنہ تحریک کو شدِ رحال کی حرمت میں تشدد کے طعنے دینے کے کیا معنی؟ جبکہ ڈاکٹر صاحب بھی یہ اعتراف کرتے ہیں کہ صحیح عقیدہ یہی ہے کہ شد رحال کر کے نہیں جانا چاہیے۔ کیا ڈاکٹر صاحب یہ چاہتے ہیں کہ تحریک توحید کے سلسلے کی مبادیات ہی میں خیانت سے کام لیتی اور بیوقوف لوگوں کے خیالات و جذبات کا پاس کرتے ہوئے ان سب بدعات پر خاموش رہتی جن کا ارتکاب ان بڑے بڑے مزاروں اور قبوں پر ہوتا ہے۔ نیز وہ استغاثہ اور توسل کے لیے ان قبروں اور قبوں کی طرف

شدِ رحال کی اجازت دے دیتی، حالانکہ حضورِ اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ صریح ارشادِ گرامی موجود ہے:

لا تشد الرحال الا الی ثلاثۃ مساجد، مسجدی ھذا والمسجد الحرام والمسجد الاقصیٰ۔	شدِ رحال تین مسجدوں کے علاوہ اور کسی مسجد کی طرف نہ کیا جائے۔ ایک تو میری یہ مسجد، دوسری مسجدِ حرام (بیت اللہ شریف) اور تیسری مسجدِ اقصیٰ۔

یہ حدیث متفق علیہ ہے۔

تحریک سے وابستہ حکمرانوں نے تو صرف انہی احکام کو نافذ کیا جن کے نفاذ کی طرف علماء کرام نے راہنمائی کی تھی۔ قبروں کو جو گرایا اور قبوں کو ڈھایا گیا تو یہ مردوں کی بے حرمتی کے لیے نہیں، بلکہ احکامِ شریعت کے نفاذ کے پیشِ نظر تھا۔

بحمداللہ وہابی سیاست دان اور علماء ان فوت شدگان کی قدر و منزلت سے بخوبی آگاہ ہیں اور قبروں پر ان رد نے دھونے والوں کی نسبت ان کا زیادہ احترام کرنے والے ہیں۔

قبروں کے سطح زمین کے برابر کر دینے سے مُردوں کی بے حرمتی کا نتیجہ نکال کر ڈاکٹر صاحب نے بزعمِ خود تحریک کی ایک ایسی تصویر پیش کرنے کی کوشش کی ہے جس سے تحریک کا رُخِ زیبا نفرت انگیز معلوم ہو، ورنہ پچاس سال پہلے کے ان واقعات کو ذکر کرنے کی اب کیا ضرورت تھی؟

اصلاحی تحریک یا علمی اکیڈمی

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

"وہابی تحریک کو یہ چاہیئے تھا کہ وہ ایک طرف تو مختلف اسلامی جماعتوں، فرقوں اور مذاہب کے آرار وافکار کو دیکھتی اور دوسری طرف تہذیبِ عصرِ حاضر

اور فکرِ جدید کی طرف توجہ کرتی اور پھر ان کے مابین تقابل و تجزیہ کر کے کتاب و سنت کی روشنی میں ایک متفق علیہ خالص علمی و فکری تحریک پیدا کرتی تاکہ مسلمانوں کا شیرازہ منتشر نہ ہوتا اور وہ مختلف گروہوں اور جماعتوں میں تقسیم نہ ہوتے، دوسری طرف اس سے منفی رجحانات کے برعکس اسلامی فکر اجاگر ہوتا اور اس سے تیسرا فائدہ یہ ہوتا کہ جزیرۃ العرب میں ایک ایسی اجتماعی تحریک جنم لے لیتی جس کی بنیادیں اسلام پر استوار ہوتیں۔"

مجھے تعجب ہے کہ ڈاکٹر صاحب ایک اصلاحی و دینی تحریک سے جس کے اغراض و مقاصد نہایت محدود تھے۔ ایسے امور سرانجام دینے کا مطالبہ کر رہے ہیں جن کے انجام دینے سے ایک خالص علمی قسم کی عظیم الشان اکیڈمی بھی قاصر ہے۔ دیکھیے ڈاکٹر صاحب صرف یہ نہیں چاہتے کہ منتخب و محدود اسلامی آراء کا تجزیہ کیا جائے، بلکہ وہ یہ چاہتے ہیں کہ سب کے سب آراء و افکارِ اسلامی کو میزان پر تولا جائے۔ اسی طرح ان کا یہ مطالبہ بھی نہیں کہ کسی ایک مذہب کا تجزیہ کیا جائے، بلکہ مطالبہ یہ ہے کہ تمام اسلامی مذاہب کا تقابل و تجزیہ ہونا چاہیے۔ مجھے نہیں معلوم کہ ڈاکٹر صاحب اس عظیم الشان کام کے سرانجام دینے کے لیے تنہا وہابی تحریک کو کیوں مکلف قرار دے رہے ہیں اور آپ اپنے ان خیالات کی عنانِ توجہ ازہر کی طرف کیوں مبذول نہیں فرماتے۔ جامعہ ازہر کے تو آپ سیکرٹری بھی رہے ہیں اور جامعہ میں تحریکِ نشأۃ جدیدہ کے سرگرم کارکن بھی۔

باقی رہا وہابی تحریک کے حوالے سے علمی و تحقیقی کام تو ڈاکٹر صاحب بخوبی جانتے ہیں کہ اس تحریک کے زیرِ اثر سعودی عرب میں ربع صدی سے زیادہ عرصہ سے ایک خالص علمی تحریک برپا ہے۔ ڈاکٹر صاحب خود بھی یہاں مدیر بحوث رہ چکے ہیں اور اس ادارے کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ یہاں کے کالجوں اور دیگر تعلیمی اداروں کے لیے قابل سے قابل تر اساتذہ کرام فراہم کرے، چنانچہ ان اساتذہ کرام سے کثیر تعداد میں طلبہ اپنی تعلیم کی تکمیل

کر چکے ہیں۔

اس وقت سعودی عرب میں تین بڑی بڑی یونیورسٹیاں ہیں۔ ہر یونیورسٹی سے کئی بڑے بڑے کالج منسلک ہیں۔ "شریعت کالج مکہ مکرمہ" جو کہ "ملک عبدالعزیز یونیورسٹی" سے منسلک ہے میں اعلیٰ تعلیم کی درج ذیل تین فیکلٹیز (FACLITY) کام کر رہی ہیں:

۱۔ عقیدہ کی فیکلٹی

اس فیکلٹی میں عقیدہ کی تعلیم دی جاتی ہے۔ تمام کلامی فرقوں، ادیان و مذاہب اور عصر حاضر کی تحریکوں سے روشناس کرایا جاتا ہے اور کلامی و فلسفی مذاہب کا تقابل و تجزیہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے اسلوب و انداز سے کرایا جاتا ہے۔

۲۔ فقہ و اصولِ فقہ کی فیکلٹی

اس میں جزئیات و فروعات کے ساتھ تمام فقہ معاصر کی تعلیم دی جاتی ہے اور کسی ایک معین مذہب کے لیے پابندی کو لازمی قرار نہیں دیا جاتا، بلکہ کہا یہ جاتا ہے کہ جس مذہب کی صحیح دلیل اور حجت قوی ہے، اسے اپنالو۔

۳۔ کتاب و سنت فیکلٹی

اس میں نہایت تحقیق و تدقیق کے ساتھ کتاب و سنت کے جمیع علوم کی تعلیم دی جاتی ہے۔

ان تینوں اداروں سے بے شمار طلبہ نے تعلیم حاصل کر کے ایم۔ اے کی ڈگریاں لی ہیں اور آئندہ برس سے ڈاکٹریٹ کے لیے لائحہ عمل تیار کیا جا رہا ہے۔

اسی طرح عربی لغت و ادب کی اعلیٰ تعلیم کے لیے بھی ایک مستقل شعبہ کام کر رہا ہے۔ مختصر یہ کہ بحمد اللہ سعودی عرب میں علمی تحریک بھی سرگرم عمل ہے جس کے بہت سے اچھے ثمرات و اثرات مرتب ہوئے ہیں اور آئندہ بھی ہوتے رہیں گے!

وہابی تحریک اور فکرِ جدید

جب صورتِ حال یہ ہے کہ جس کی طرف سطور مذکورہ بالا میں اشارہ کیا گیا تو پھر خود ہی اندازہ فرمایئے کہ ڈاکٹر صاحب کی اس بات میں کیا وزن باقی رہ جاتا ہے کہ تحریک کو تہذیبِ عصرِ حاضر اور فکرِ جدید کی طرف بھی توجہ کرنی چاہیئے تھی۔ایک دینی و اصلاحی تحریک تہذیبِ عصرِ حاضر سے کیا استفادہ کر سکتی ہے؟ کیونکہ یہ تہذیب تو ہر جگہ مشرق ہو یا مغرب خالص مادی بنیادوں پر استوار ہے۔ اسی طرح یہ تحریک فکرِ جدید سے کیا استفادہ کر سکتی ہے؟ کیونکہ اس الحادی فکر کی بنیاد تو ڈارون، سپنسر، شاخت اور سارٹر کے نظریات پر ہے۔ تو جب صورتِ حال یہ ہے تو کتاب و سنت کی روشنی میں اس تہذیب اور اس فکر کے بارے میں سوائے اس کے اور کیا رائے قائم کی جا سکتی ہے کہ ان کا سراسر انکار کر دیا جائے، انہیں حقارت کی نظر سے دیکھا جائے ان میں مخفی زہر ناکیوں کو اجاگر کیا جائے اور مسلمانوں کو ڈرایا جائے کہ وہ ان کی جھوٹی چمک دمک کے فریب میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

نہیں معلوم کہ ڈاکٹر صاحب جیسے فلسفی آدمی کے دل میں یہ خیال کیسے آگیا ہے کہ اس نے وہابی مبلغین کو بڑے بڑے فلسفیوں کی جماعت سمجھ لیا ہے کہ وہ ان سے نہ صرف یہ مطالبہ کر رہے ہیں کہ وہ تمام اسلامی مذاہب کے آراء و افکار کا جائزہ لیں، بلکہ یہ تقاضا بھی کر رہے ہیں کہ وہ کتاب و سنت کی روشنی میں تمام مغربی فلسفوں کا بھی تجزیہ کریں!

یہ فلسفے اور یہ جدید افکار جن کی طرف ڈاکٹر صاحب تحریک کی توجہ مبذول کرا رہے ہیں، ان میں سے کوئی ایک بھی اس قابل نہیں کہ وہابی تحریک یا کوئی بھی اسلامی تحریک اس سے کسی قسم کا فکری استفادہ کر سکے، کیونکہ اسلام فکری و نظری اعتبار سے ان

تمام فلسفہ ہائے حیات سے بے نیاز ہے اور فکری استفادہ کے لیے اسے کسی کی احتیاج نہیں ہے، بلکہ یہ لوگ اگر اپنے افکار کو درست کرنا چاہیں تو یہ محتاج ہیں کہ اسلام سے کسبِ فیض کریں۔

البتہ انجینئرنگ اور ٹیکنالوجی میں ان سے استفادہ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، کیونکہ اس میدان میں بلاشبہ وہ ہم سے سبقت لے گئے ہیں۔

کسی بھی علمی و اسلامی تحریک کی بنیاد فلاسفۂ مغرب کے مذاہب و افکار پر نہیں رکھی جاسکتی، کیونکہ یہ مذاہب و افکار تو خالصتہً لادینیت پر استوار ہیں۔ اسلام کا ان سے کوئی رشتہ و تعلق نہیں۔

سعودی عرب میں علمی تحریک

اس کے باوجود سعودی عرب کی علمی تحریک اس تہذیبِ نو اور فکرِ جدید سے استفادہ کرنے سے غافل نہیں ہے۔ سعودی عرب نے اپنے بے شمار طالب علموں کو امریکہ و یورپ کی یونیورسٹیوں میں بھیجا ہے تاکہ وہ وہاں مختلف علوم و فنون میں تخصص (SPECIALISATION) کرسکیں، چنانچہ ان میں سے بہت سے حضرات وہاں سے اپنی تعلیم کی تکمیل کے بعد اب یہاں کی یونیورسٹیوں میں تدریس کے فرائض انجام دے رہے ہیں یا پھر وہ اس میدان میں خدمات سرانجام دے رہے ہیں، جس کے وہ متخصص (SPECIALIST) ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ تحریک مختلف وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے اسلامی معاشرے کی بیداری کے لیے سرگرم عمل ہے اور اسلامی معاشرے کو اجنبی افکار و نظریات اور ان کے سموم و انحرافات سے بچانے کے لیے بھی مساعیٔ جمیلہ انجام دے رہی ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے جو یہ کہا تھا کہ اس سے جزیرۃ العرب میں ایک ایسی اجتماعی تحریک جنم لے لیتی .... الخ

اس بات کی تردید کے لیے اتنا کہہ دینا ہی کافی ہے کہ آپ حقیقتِ حال کا جائزہ اور امرِ واقع کا مشاہدہ فرمائیے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ جزیرۃ العرب اس تحریک کی بدولت زمانے کے تقاضوں سے بخوبی عہدہ برآ ہو رہا ہے۔

جس شخص نے سعودی عرب کو بیس سال پہلے دیکھا ہو اور اب پھر یہاں آکر دیکھے، تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ سعودی عرب نے گزشتہ بیس سالوں میں علم و ادب، ابلاغ و اعلام اور صحت و اجتماعیت کے میدانوں میں بے پناہ ترقی کی ہے اور وہ دیکھے گا کہ اس ترقی کے باعث سعودی نژاد نو تعمیر و ترقی اور سربلندی کے لیے نہایت سرعت کے ساتھ سرگرم عمل ہے۔

مختصر یہ کہ یہ تحریک تخلّف اور رجعیت کی تمام صورتوں کی مخالف اور تعمیر و ترقی اور پیش قدمی کی تمام شکلوں کی دوست ہے۔ فیصل عظیمؒ کے دورِ حکومت میں سعودی عرب نے جو یہ بے مثل ترقی کی ہے۔ اطراف و اکنافِ عالم میں اس کی شہرت ہے۔ یہ شہرت صرف عربی و اسلامی ممالک تک ہی محدود نہیں ہے، بلکہ یورپ اور امریکہ کے تمام ملکوں تک پہنچ چکی ہے۔

یہ ایک اصلاحی تحریک ہے

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

"وہابی تحریک نے دیگر اسلامی فرقوں کے ساتھ مخالفت میں بڑی شدت اختیار کر لی تھی۔ خصوصاً جمہور مسلمانوں کے یہ لوگ شدید مخالف تھے۔"

ہم ڈاکٹر صاحب سے ایک بار پھر یہ ناگوار بات سُن رہے ہیں اور ایک بار پھر ڈاکٹر صاحب وہابی تحریک کو موردِ الزام ٹھہرا رہے ہیں کہ اس تحریک نے دیگر اسلامی فرقوں کے ساتھ مخالفت میں نہایت شدّت کی راہ اختیار کرلی تھی۔

کیا ڈاکٹر صاحب یہ چاہتے ہیں کہ اس تحریک پر واجب تھا کہ یہ بدعات و منکرات پر خاموشی اختیار کیے رکھتی اور جمہور مسلمانوں کو خوش کرلیتی اور اگر یہ فی الواقع خاموش ہی رہتی، تو اس تحریک کے کیا معنی؟ جو تحریک برپا ہی تصحیح عقائد کے لیے ہوئی ہو، اس سے یہ توقع ہی کیوں کہ اختلاف سے بچنے کے مفروضے کے باعث وہ بدعات، منکرات اور خرافات سے چشم پوشی کرتی؟

اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ نے اپنے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہوتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ	اور تم سے نہ تو یہودی کبھی خوش ہوں گے
الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى	اور نہ عیسائی۔ یہاں تک کہ ان کے
حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ	مذہب کی پیروی اختیار کرلو۔

(البقرہ - ۱۲۰)

جمہور کی مثال بھی ان یہود و نصاریٰ جیسی ہے کہ یہ بھی صرف اس سے خوش ہوسکتے ہیں، جو انہیں اپنی خواہشاتِ نفس کی پیروی کرنے کی کھلی چھٹی دیئے رکھیں۔ کچھ مشرکینِ مکہ نے بھی آنحضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ طعنہ دیا تھا:

"آپ ایک ایسا دین لائے ہیں، جس سے آپ نے اپنی قوم کی مخالفت کی ہے اور ان کے شیرازے کو منتشر کردیا ہے۔"

ڈاکٹر صاحب جیسے فلسفی انسان سے اس قسم کے کلام کا صدور باعثِ تعجب ہے، کیونکہ ڈاکٹر صاحب جانتے ہیں کہ اصلاحی تحریکوں کو مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، لیکن تحریکیں لوگوں کی مخالفتوں سے ڈرتے ہوئے دعوت واصلاح کے کام کو چھوڑ نہیں دیا کرتیں۔

وہابی تحریک نے لوگوں کی ناراضی یا خوشی کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ہر اُس چیز کے نفاذ میں نہایت سختی کی، جس کا نفاذ واجب تھا، لہذا اس تحریک کے مابین جو تصحیح عقائد اور ازالۂ بدعات ومُنکرات کے لیے برپا ہوئی اور ان فرقوں کے مابین جو گمراہیوں اور ضلالتوں پر استوار تھے اختلاف کا پیدا ہونا ایک ضروری امر تھا۔

جب حقیقتِ حال یہ ہے تو پھر خود ہی اندازہ فرمایئے کہ ڈاکٹر صاحب کی اس بات میں کیا وزن ہے کہ یہ تحریک جمہور مسلمانوں کی نہایت شدید مخالف تھی؟ اور پھر جمہور اور ان کے میلانات ورجحانات کا حق وانصاف کے میزان میں اتنا وزن ہی کب ہوتا ہے کہ ان کے باعث واجباتِ دین اور نصوصِ شرعیہ کو ترک کر دیا جائے۔



وہابی تحریک ــــ افکار و اعمال کے آئینہ میں

دعوت و عمل

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں :

" وہابی تحریک کی دعوت تو کتاب و سنت کی دعوت ہے، لیکن اس تحریک کا عمل اس وضع اور ہدف سے بہت بعید ہے جس کی طرف ابن تیمیہؒ نے دعوت دی تھی۔ اس تحریک کی عملی تفسیر سے کچھ مترشح یوں ہوتا ہے کہ یہ ابتدائی دور کے مسلمانوں کی بدوی زندگی کی طرف دعوت ہے، اس روشن اسلام کی طرف دعوت نہیں جو قرآن اور سنت صحیحہ سے ثابت ہوتا ہے، وہ اسلام جو سائنس اور ٹیکنالوجی کی تہذیب سے برتر ہے، وہ اسلام جو انسانی زندگی کا نہایت ارفع تصور پیش کرتا ہے اور وہ اسلام جو کہ معاشرے کی تشکیل میں ہر طرح کی تہذیب و ترقی سے فائق تر ہے۔"

ڈاکٹر صاحب کی یہ بات درست ہے کہ تحریک نے اپنی دعوت کے مطابق عمل بھی کیا اور اس دعوت میں قطعاً کوئی خوبی نہیں جو سراسر نظری و فکری اور عملی نہ ہو ایسی تحریک و دعوت بے برگ و بار اور سریع الزوال ہوتی ہے، لیکن ڈاکٹر صاحب کی یہ بات قطعاً درست نہیں :

"اس تحریک کا عمل اس وضع اور ہدف سے بہت بعید ہے جس کی طرف ابنِ تیمیہؒ نے دعوت دی تھی۔"

کیونکہ ہمیں یقین ہے کہ اگر شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اپنے زمانے میں اتنی قوت حاصل کر لیتے جتنی کہ شیخ الاسلام امام محمد بن عبدالوہابؒ کی دعوت کو نصیب ہوئی، تو وہ بھی یقیناً وہی کچھ کرتے، جو اس تحریک سے وابستہ حضرات نے کیا ہے۔ اس کے باوجود حضرت امام ابن تیمیہؒ اور آپ کے متبعین نے (جن کی تعداد اگرچہ قلیل تھی) عملی اصلاحات کے لیے مقدور بھر جدّوجہد کی گویا یہ دعوتِ عملی وتطبیقی اعتبار سے اس منہج پر رواں دواں رہی جو ابتدا میں وضع کر لیا گیا تھا۔

ڈاکٹر صاحب وغیرہ کا جو یہ وہم ہے کہ تحریک نے عمل وتطبیق میں غلطی کی ہے یا نفاذ میں غلو سے کام لیا ہے، یہ کوئی منطقی بات نہیں، بلکہ سراسر جذباتی ہے، کیونکہ منطقی اعتبار سے تو یہ بات درست نہیں کہ یہ تحریک ایسے امور کا مشاہدہ کرتی جو توحید کے منافی ہیں اور پھر ان امور سے متعلقہ اشخاص کے جذبات کا لحاظ کرتے ہوئے خاموشی اختیار کر لیتی۔

ڈاکٹر صاحب کی یہ بات کہ اس تحریک کی عملی تطبیق سے کچھ یوں مترشح ہوتا ہے کہ یہ ابتدائی دَور کے مسلمانوں کی بدوی زندگی کی طرف دعوت ہے۔ اس اسلام کی طرف نہیں، جو کتاب اور سنتِ صحیحہ سے ثابت ہوتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنی اس ایک بات میں کئی غلطیوں کا ارتکاب کیا ہے، جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

اوّل ڈاکٹر صاحب نے ابتدائی دَور کے مسلمانوں کی زندگی پر بدویت اور تنزّل کا الزام لگایا ہے، حالانکہ یہ زندگی انسانی زندگی کی تاریخ میں ایک نہایت ارفع واعلیٰ نمونہ ہے۔ انسانیت اب تک جس قدر تہذیب سے روشناس ہوئی ہے، یہ زندگی اس میں سب سے عمدہ مثال ہے، کیونکہ اس تہذیب کی قیادت قرآن عظیم نے کی تھی اور اس تہذیب کی بنیاد اس فخرِ موجودات، سیّدِ کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

نے رکھی تھی کہ ابتدائے آفرینش سے لے کر آج تک دنیا نے کمالِ انسانی کے اعتبار سے ان کا کوئی ہم و شریک نہیں دیکھا۔

مجھے نہیں معلوم کہ ڈاکٹر صاحب کے ضمیر نے اس بات کو کیسے گوارا کیا کہ انہوں نے ابتدائی دور کے مسلمانوں کی زندگی کو ہدفِ تنقید بنایا کہ اگر ہم یہ طعن کسی عیسائی یا مستشرق کی زبان سے سنتے، تو یقیناً اسے اسلام دشمنی اور کمینگی پر محمول کرتے، لیکن تعجب ہے کہ ہم یہ الفاظ ایک مسلمان ڈاکٹر کی زبان سے سن رہے ہیں۔ تو بجز اس کے کیا کہیں کہ اللہ تعالیٰ تجھے معاف کرے اے ڈاکٹر!

دوم : ڈاکٹر صاحب کی دوسری غلطی یہ ہے کہ انہوں نے اسلام کے ابتدائی دور کے مسلمانوں (یعنی حضرات صحابہ کرامؓ!) پر یہ الزام لگایا ہے کہ ان کا عمل قرآن و سنت پر مبنی واضح اور روشن اسلام پر نہ تھا۔ تعجب ہے کہ اگر اسلام کا یہ اولین قافلہ واضح و روشن اسلام پر عمل پیرا نہ تھا، تو پھر اور کون صحیح اور سچے اسلام پر عمل پیرا ہو سکتا ہے، کیونکہ ان حضرات نے نزولِ وحی کا مشاہدہ کیا۔ دینِ اسلام کو خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ اطہر سے سیکھا۔ صحبتِ نبوی کی سعادت حاصل کی اور حضور سرورِ کائنات، فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم سے تربیت حاصل کی اور یہ ایسا اعزاز ہے جو انسانیت کو اپنی طویل ترین تاریخ کے کسی دور میں بھی میسر نہ آسکا۔

تو محترم ڈاکٹر صاحب! آپ خود ہی بتائیے کہ اگر یہ حضرات واضح اور روشن اسلام پر نہ تھے، تو پھر اور کون لوگ تھے؟

سوم : ڈاکٹر صاحب نے تیسری غلطی کا ارتکاب یہ کیا ہے کہ انہوں نے اسلام کی بڑی عجیب و غریب تفسیر کی ہے، یعنی ان کے نزدیک روشن اسلام وہ ہے جو سائنس اور ٹیکنالوجی سے فوقیت لے جاتے . . . . . حالانکہ اسلام کو اس قسم کی

تفسیر و تعبیر کی قطعاً حاجت نہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے اسلام کی جو تصویر کشی کی ہے، اسلام ان تمام فرضی صورتوں سے فائق اور بلند تر ہے، کیونکہ اسلام ہی صرف اور صرف وہ راستہ ہے جو ہر طرح کی ترقی اور ہر انسانی کمال خواہ وہ مادی ہو یا روحانی تک پہنچنے کے لیے راہنمائی کرتا ہے۔ اگر اسلام کی وہ تفسیر بھی درست تسلیم کر لی جائے جو ڈاکٹر صاحب نے پیش کی ہے تو پھر بھی وہابی تحریک کو اس قسم کے اسلام سے بہرہ وافر نصیب ہے، کیونکہ آج بھی روئے زمین پر اور کوئی ایسی قوم نہیں جو سعودیوں سے بڑھ کر عصر حاضر کی سائنس اور ٹیکنالوجی کی ایجادات سے فائدہ اٹھا رہی ہو۔ آج سعودی عرب میں انسانی قدریں ان تمام ممالک سے بلند تر ہیں جو تہذیب کے اعتبار سے زمانہ بعید سے سبقت رکھتے تھے۔

سعودی معاشرہ آج صحیح، تہذیب یافتہ اور مسلم معاشرے کی تصویر پیش کرتا ہے جس میں جرائم کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس معاشرے میں قانون کی خلاف ورزی کرنے والے نہیں، ضلالتوں اور گمراہیوں میں ٹامک ٹوئیاں مارنے والے بھی نہیں۔ یہاں آپ کو منشیات کے رسیا بھی نظر نہ آئیں گے اور نہ ہی حاکم کو محکوم پر ظلم و استبداد کرتے ہوئے دیکھو گے اور نہ ہی یہاں ذلت، تباہی و بربادی اور نفاق کے مظاہرے نظر آئیں گے جن سے مشرق و مغرب کا ہر معاشرہ جل رہا ہے۔ ڈاکٹر صاحب! آپ ہی فرمایئے کہ اگر یہ تہذیب و ترقی نہیں تو تہذیب و ترقی کسے کہتے ہیں؟

اسلام، تہذیب اور ٹیکنالوجی

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

" وہابی تحریک ابھی تک عصرِ حاضر کی ٹیکنالوجی اور جدید سائنسی آلات کے استعمال سے روشناس نہیں ہوئی، حالانکہ قرآن وسنت کی طرف دعوت سے اولاً و بالذات مقصود ہی یہ ہوتا ہے کہ زندگی اسلام کی تعلیمات کے زیرِ سایہ اور سائنس وٹیکنالوجی کی تہذیب کی صحبت میں گزاری جائے گی، کیونکہ اس صحبت کے بغیر کوئی معاشرہ معیشت اور دنیوی زندگی میں ضعف و ذلت کو خیرباد کہہ کر بلند مقام پر فائز نہیں ہوسکتا۔"

میں چونکہ ڈاکٹر ہی کو ذاتی طور پر جانتا ہوں، لہٰذا ان کی اس بات سے مجھے انتہائی طور پر تعجب ہو رہا ہے، کیونکہ ہم نے تو گفتگو میں سلیقہ، حسن تعبیر اور خرافات سے بُعد کی تعلیم حاصل کی تھی، لیکن حضرت خود خلط مبحث کا شکار ہو رہے ہیں اور عدل وانصاف کا دامن ہاتھ سے چھوڑ رہے ہیں، وگرنہ ڈاکٹر صاحب کی اس بات کے کیا معنی ہیں کہ وہابی تحریک ابھی تک عصر حاضر کی ٹیکنالوجی اور جدید سائنسی آلات سے روشناس نہیں ہوئی۔ ٹیکنالوجی اور جدید سائنسی آلات سے ڈاکٹر صاحب کی مراد غالباً ان کی یہ کتاب ہے جو تین سال قبل طبع ہوئی تھی، ورنہ دنیا کے طول و عرض پر نگاہ ڈال کر دیکھیے، آپ کو کوئی ایسا ایک شخص بھی نظر نہ آئے گا، جو اس حکومت کے بارے میں اس قسم کی بات کہہ سکے جیسے ساری دنیا جانتی ہے اور دنیا یہ بھی جانتی ہے کہ یہ ملک انواع واقسام کے جدید سائنسی آلات کے استعمال کو بخوبی جانتا ہے۔

آج سعودی عرب کا بچہ بچہ گاڑی چلانا جانتا ہے، گاڑی کے تمام پُرزوں اور ان کی مرمت کا بخوبی علم رکھتا ہے۔ دمام کی شہرہ آفاق "آرامکو کمپنی" میں اکثر و بیشتر ٹیکنیکل امور سعودی نوجوان ہی انجام دے رہے ہیں۔

نہیں معلوم کہ ڈاکٹر صاحب نے یہ الزام وہابی تحریک پر عائد کیا ہے یا اس کے مومن پیروکاروں پر۔ اگر یہ تحریک پر الزام ہے تو درست نہیں، کیونکہ یہ بات تحریک کے مبادیات میں شامل نہیں کہ وہ جدید ایجادات اور سائنسی اختراعات سے جدال و قتال شروع کر دے، کیونکہ مادی زندگی کی ہر چیز انسان کے لیے مسخر کر دی گئی ہے جیسا کہ قرآن مجید سے ثابت ہے۔ اسلام میں ہر اس نئی چیز سے استفادہ کیا جا سکتا ہے جس کا استعمال اسلام کے اساسیات و مبادیات سے متعارض نہ ہو۔

اگر ڈاکٹر صاحب کا یہ الزام تحریک کے کارکنوں اور پیروکاروں پر ہے تو پھر بھی درست نہیں، کیونکہ سب عوام و خواص جانتے ہیں کہ دیگر ممالک کے باشندوں کی طرح سعودی عرب کے لوگ بھی آج جدید ایجادات اور تہذیب عصر حاضر کی اختراعات سے مکمل طور پر مستفید ہو رہے ہیں۔ شاید ڈاکٹر صاحب ہی وہ واحد انسان ہیں جو سعودی عرب کے باشندوں کے بارے میں یہ گمان رکھتے ہیں کہ یہ لوگ ابھی تک صحرانشین ہیں۔ صرف اونٹوں ہی کی سواری کرنا جانتے ہیں، لکڑی کا ایندھن استعمال کرتے اور اینٹوں کے چولھوں پر کھانا پکاتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کی یہ بات درست ہے کہ قرآن و سنت کی طرف دعوت سے اولاً و بالذات مقصود ہی یہ ہوتا ہے کہ زندگی اسلامی تعلیمات کے زیر سایہ بسر کی جائے۔ اسلام نے زندگی بسر کرنے کے لیے ایک باقاعدہ اسلوب وضع کیا ہے، لہٰذا زندگی افضل و اعلیٰ طریقے سے بسر کرنے کے لیے یہ از بس ضروری ہے کہ نظامِ حیات کو اسلامی اساس پر استوار کیا جائے۔ اسلامی تعلیمات کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر صاحب نے جو سائنس اور ٹیکنالوجی کی صحبت کی شرط لگا دی ہے۔ معلوم نہیں اس کا مصدر و مآخذ کیا ہے؟ سائنس اور ٹیکنالوجی کی زندگی اسالیبِ معیشت میں سے ایک ایسا اسلوب ہے کہ جس کے تحت مشقتیں کم اور راحت و آرام کی فراوانی ہو جاتی ہے، لیکن یہاں ڈاکٹر صاحب

خلط مبحث کر رہے ہیں، کیونکہ جب ہم قرآن وسنت کی طرف دعوت دیتے ہیں تو اس سے مقصود سائنس اور ٹیکنالوجی کے مطابق زندگی بسر کرنا نہیں ہوتا تو یہ بجائے کہ اسلام اپنے ماننے والے حضرات کو اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ وہ انجینئرنگ اور ٹیکنالوجی کی نئی نئی ایجادات سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں، لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ جو شخص ان سے فائدہ نہ اٹھائے، وہ مسلمان ہی نہیں۔ یہ ایک ایسا دعویٰ ہے کہ ڈاکٹر صاحب سے قبل منکرینِ اسلام میں سے کسی ایک نے بھی نہیں کیا۔

کیا فرماتے ہیں ڈاکٹر صاحب کہ مثلاً ایک مسلمان معاشرہ اسلامی تعلیمات کے مطابق مکمل طور پر عمل پیرا ہے، لیکن اس کا نظامِ معیشت محدود وسائل اور چند ابتدائی ایجاداتِ نو سے استفادہ پر ہی موقوف ہے، یعنی وہ ایجاداتِ جدیدہ سے مکمل طور پر مستفید نہیں ہو رہا تو کیا یہ معاشرہ مسلمان کہلائے گا یا اسے خارج از اسلام قرار دیا جائے گا؟

نظام حیات اور اس کی اسلامی اساس پر استواری

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

"وہابی تحریک فکری وعملی اعتبار سے اب تک جزیرۃ العرب میں کوئی مثبت اور موثر کردار ادا نہیں کر سکی۔ اس تحریک نے مختلف اسلامی ممالک کے ربط واتحاد کے سلسلے میں بھی کوئی قابلِ قدر کام نہیں کیا اور نہ کوئی ایسا کارنامہ سرانجام دیا ہے جس سے یہ معلوم ہو کہ اسلام ایک ایسا دین ہے جو انفرادی واجتماعی تمام مسائل کا حل پیش کرتا ہے اور نئے نئے مسائل اور زندگی کے مختلف اسالیب سے عہدہ برا ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔"

معلوم نہیں فکری و عملی اعتبار سے تحریک کے کردار سے ڈاکٹر صاحب کیا مراد لیتے ہیں۔ہم تو صرف اس قدر جانتے ہیں کہ تحریک فکری اعتبار سے اس بات پر زور دیتی ہے کہ اسلامی عقیدے کے صحیح تصور کو عام کیا جائے۔ ان مفہومات کو واضح کیا جائے جو تخریبی عوامل سے اثر پذیری کے باعث مسلمان معاشرے میں بھی اپنا تشخص کھو بیٹھتے ہیں اور عملی اعتبار سے تحریک کے پیشِ نظر سب سے اہم بات یہ ہے کہ عقیدۂ توحید کی حفاظت کی جائے، اسے بُت پرستی اور وثنیت کی آلائشوں سے پاک کیا جائے اور تشریعی، اقتصادی، اجتماعی اور ہر اعتبار سے نظامِ حیات کو مکمل طور پر اسلام کی بنیادوں پر استوار کیا جائے۔

ڈاکٹر صاحب نے جو یہ کہا ہے کہ تحریک ابھی تک سعودی عرب کی بیداری میں کوئی مثبت اور مؤثر کردار ادا نہیں کر سکی، تو یہ محض ان کی ذاتی رائے ہے اور ہر شخص کو اظہارِ رائے کی آزادی حاصل ہے، لیکن جہاں تک امرِ واقع کا تعلق ہے۔تحریک نے بیداری اور ترقی کی راہ میں کبھی رکاوٹ کھڑی نہیں کی۔ہر وہ شخص جسے قدرت نے دیکھنے کے لیے دو آنکھیں عنایت فرمائی ہوں، وہ یہاں بیداری اور تمدن و تہذیب کے بے پایاں مظاہر آفتاب نصف النہار کی طرح چمکتے ہوئے دیکھ سکتا ہے اور سعودی عرب کی زیارت کرنے والا ہر شخص زندگی کے تمام گوشوں میں ان کے اثرات کا مشاہدہ کیے بغیر نہیں رہ سکتا!

ہماری شدید خواہش ہے کہ ڈاکٹر صاحب بنفسِ نفیس ان مقدس دیار و بلاد کی زیارت کے لیے تشریف لائیں اور جہاں جہاں ان کی نظر پڑتی ہے اس مبارک تحریک کے اثرات کا جائزہ لیتے جائیں۔

ڈاکٹر صاحب نے جو یہ کہا:

"اس تحریک نے مختلف اسلامی ممالک کے ربط و اتحاد کے سلسلے میں بھی کوئی مؤثر کردار ادا نہیں کیا۔"

اس کی تردید کے لیے اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ باقی ادوار سے قطع نظر آپ صرف موجودہ سعودی عرب کے حکمران حضرت جلالۃ الملک المغفور لہ فیصل بن عبدالعزیز آل سعود کے دورِ عظیم پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالیے، تو آپ کو معلوم ہوگا کہ انہوں نے عالمِ اسلام کے متفرق و منتشر مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کے لیے کس قدر مساعی جمیلہ انجام دی ہیں اور کس قدر حسن و خوبی کے ساتھ ایمانی اخوت کے شعلے ان کے دلوں میں بھڑکا دیے ہیں۔ یہ آپ کی سعیٔ مشکور اور جدّ و جہدِ مبرور ہی کا ثمرہ طیبہ تھا کہ رباط اور لاہور میں دو عظیم الشان کانفرنسیں منعقد ہوئیں اور پھر عالمِ اسلام کے وزرائے خارجہ کی مسلسل کئی کانفرنسیں انعقاد پذیر ہوئیں۔ پھر "رابطہ عالمِ اسلامی" کی تاسیس جو اکثر و بیشتر اسلامی ملکوں کو ایک سلکِ مروارید میں منسلک کیے ہوئے ہے۔ مختلف اسلامی جماعتوں اور تنظیموں کی قابلِ قدر خدمات سرانجام دے رہا ہے۔ ان جماعتوں اور تنظیموں کی علمی و دینی ضرورتوں کو پورا کرتا ہے۔ ان کے مسائل کے حل کے لیے مکہ مکرمہ میں وقتاً فوقتاً کانفرنسوں کا اہتمام کرتا رہتا ہے۔ اب بھی جبکہ راقم یہ سطور تحریر کر رہا ہے مکہ مکرمہ میں "رابطہ" کے زیرِ اہتمام اسی قسم کی ایک کانفرنس منعقد ہو رہی ہے۔ مدینہ منورہ کی اسلامی یونیورسٹی جس میں چوراسی اسلامی ملکوں کے طلبہ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ اتحادِ عالمِ اسلام ہی کے سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اسی طرح جلالۃ الملک جو مختلف عربی و اسلامی ممالک میں اسلامی مراکز اور مساجد تعمیر کروا رہے ہیں اور دینی و اصلاحی تنظیموں کے ساتھ تعاون فرما رہے ہیں، یہ بھی عالمِ اسلام کے اتحاد ہی کے سلسلے کی مساعی جمیلہ ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کو ہم یاد دلاتے ہیں کہ ابھی پچھلے دنوں جلالۃ الملک نے بہت سے افریقی ممالک کا دورہ کیا تاکہ اپنے مسلمان بھائیوں کے احوال معلوم کریں؛ چنانچہ آپ کے یہ دورے بہت کامیاب رہے۔ آپ نے بہت سے ممالک کے اسرائیل کے ساتھ تعلقات منقطع کروا دیے اور ڈپلومیسی تبدیل کروا دی۔ اسی طرح پچھلے دنوں آپ

نے جو فرانس کا دورہ کیا، اس سے عربوں کے مسئلے کے لیے نہ صرف فرانس کی تائید حاصل کی، بلکہ مغربی یورپ کے سارے ملکوں کی تائید بھی حاصل کرلی۔

جناب ڈاکٹر صاحب! وہابیوں کے بادشاہ نے اتحادِ عالمِ اسلامی کے سلسلے میں جو بکثرت مساعیٔ جمیلہ انجام دی ہیں، ان میں سے یہ چند ایک "مشتے نمونہ از خروارے" پیش کی گئی ہیں، تو کیا انہیں ملاحظہ کرنے کے بعد بھی آپ اسی رائے پر قائم رہیں گے کہ وہابی تحریک نے عالمِ اسلام اور مختلف اسلامی جماعتوں کے درمیان ربط و اتحاد پیدا کرنے کے سلسلے میں کوئی مثبت اور مؤثر کردار انجام نہیں دیا؟

سعودی عرب میں اسلامی قانون کا تجربہ

ڈاکٹر صاحب نے جو یہ کہا:

"تحریک کوئی ایسا کارنامہ بھی سرانجام نہیں دے سکی جس سے معلوم ہو کہ اسلام ایک ایسا دین ہے جو انفرادی اور اجتماعی تمام مسائل کا حل پیش کرتا ہے اور نئے نئے مسائل اور زندگی کے مختلف اسالیب سے عہدہ برآ ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔"

تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب برملا یہ کہنا چاہتے ہیں کہ سعودی عرب میں اسلامی قانون کا تجربہ کچھ کامیاب نہیں رہا، لیکن میرا خیال ہے کہ سعودی عرب کے دشمنوں میں سے بھی کوئی یہ دعویٰ نہیں کرسکے گا، کیونکہ ایسا دعویٰ کرنے والا لوگوں کے لیے اضحوکہ بنے گا یا اس کے بارے میں یہ کہا جائے گا کہ وہ اپنا دماغی توازن کھو بیٹھا ہے۔ دوستوں سے قبل دشمنوں کی یہ شہادت ہے کہ سعودی عرب کا قانون عدل و انصاف اور امن و استقرار کے قائم کرنے میں ضرب المثل بن چکا ہے۔ یہ سب کچھ اسلامی حدود کے نفاذ کی برکتوں کا نتیجہ ہے۔ ایک اچھے قانون کے فیوض و برکات سے اللہ تعالیٰ

نے جس قدر سعودی عرب کو نوازا ہے، روئے زمین میں ڈھونڈے سے بھی اس کی مثال نہیں ملے گی۔ باقی رہا فرد کی اصلاح کا معاملہ، تو یہاں فکری، اخلاقی اور وجدانی ہر اعتبار سے فرد کی اصلاح پر مکمل توجہ دی جاتی ہے۔

نئے نئے مسائل اور مختلف اسالیب حیات سے عہدہ برآ ہونے کے اعتبار سے سعودی عرب ہی وہ ملک ہے جس نے تہذیب عصر حاضر سے فائدہ تو ضرور اٹھایا' لیکن ساتھ ہی اپنے تشخص کو بھی برقرار رکھا۔ بہت سے دیگر اسلامی ممالک کی طرح تہذیب عصر حاضر میں اپنی انفرادیت اور تشخص ہی کو کھو نہیں دیا، یعنی عصر حاضر کی تہذیب کے سامنے سعودی عرب نہایت متانت سے ایک مسلمان ملک کی حیثیت سے کھڑا ہوا ہے جسے معلوم ہے کہ اپنے دین، اخلاق اور عادات و اطوار کو نقصان پہنچائے بغیر دیگر اقوام اور ان کی تہذیب سے کیسے استفادہ کرنا چاہیئے؟

ڈاکٹر صاحب مزید لکھتے ہیں :

" وہابی تحریک کے بنیادی فکر اور عملی کردار میں نمایاں فرق ہے۔
وہابی فکر اور عقیدہ یہ ہے کہ جو کچھ پڑھتے ہیں، خود ہی پھر اس کی تردید کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ موقع و محل اور شائستگی کا لحاظ کیے بغیر تکلف اور تصنع سے بھی کام لیتے ہیں۔"

یقین نہیں آرہا کہ یہ ڈاکٹر صاحب کا کلام ہو سکتا ہے۔ معلوم کچھ یوں ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ سب کچھ شدید انفعالی کیفیت میں لکھا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے آغاز تو سخت ناراضی اور غصے سے کیا تھا، لیکن اب الزامات کے اینٹ اور پتھر برسائے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی یہ گفتگو انتہائی ناشائستہ ہے، اس پر ان کا محاکمہ کیا جانا ضروری تھا اور لازم تھا کہ وہ اس کا خمیازہ بھگتتے۔ اس میں ڈاکٹر صاحب نے سب سے پہلا الزام تو وہابیوں پر یہ لگایا ہے کہ انہیں منافقت کا طعنہ دیا ہے اور کہا ہے کہ وہ

سعودی تلوار بھی ان کی نصرت واعانت اور ان کے احتساب کے لیے لہرا رہی تھی۔

اس تحریک پر اللہ تعالیٰ کی یہ بے پایاں کرم نوازی ہے کہ اس نے اس تحریک کو تلوار کی قوّت بخشی اور قلم و زبان کی طاقت بھی جس کے بیش بہا ثمرات مرتب ہوئے اور تحریک سوئے منزل رواں دواں رہی، نہ تو کسی حاکم کا استبداد اور نہ کسی حکمران کا ظلم اس قافلۂ حرّیت کی راہ میں کوئی رکاوٹ کھڑی کر سکا ہے

تعجب ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے وہابیّت پر تنقید کے لیے تو اس قدر درشت اور تلخ لہجہ اختیار کیا، لیکن ہمیں نہیں معلوم کہ ایک مرتبہ بھی انھوں نے قبر پرستوں یا صوفیاؔ کی تردید میں قلم اٹھایا ہو۔ ڈاکٹر صاحب آپ ہی کہیئے کہ یہ کیا انداز گفتگو ہے ؟

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں :

"وہابی جماعت کی زندگی بھی ایسے ہی ہے جیسے کسی بھی دوسری اسلامی جماعت کی زندگی ہو، یعنی یہ جماعتیں اسلامی افکار و آراء سے علیحدہ ہو کر اپنے اپنے راستوں پر چلتی رہتی ہیں، کبھی ان کا رجحان مشرقی عوامل کی طرف ہوتا ہے اور کبھی کبھی یہ ایسی عادات و تقالید کو اختیار کر لیتی ہیں جن کا کوئی ایک مصدر نہیں ہوتا۔"

ڈاکٹر صاحب نے یہاں وہابی تحریک سمیت تمام اسلامی جماعتوں کو مورد الزام ٹھہرایا ہے کہ یہ سب کی سب جماعتیں اسلامی افکار و آراء سے دُور ہو کر اپنی اپنی خود ساختہ راہوں پر چلتی رہتی ہیں۔ نہیں معلوم اسلامی افکار و آراء سے ڈاکٹر صاحب کی مراد کیا ہے ؟ جن سے تمام اسلامی جماعتوں نے علیحدگی اختیار کر لی ہے ؟ کیا ان سے متکلمین، فلاسفہ اور صوفیاء کی آراء مراد ہیں جنھوں نے فکری ژولیدگیوں اور شطحیات کے باعث اسلامی عقائد کے رُوئے زیبا کو گہنا دیا ہے ؟ اگر آپ کا جواب اثبات میں ہے تو پھر بتایئے کہ اسلامی جماعتوں کو ان پیچیدہ افکار اور متعفن آراء کے اختیار کرنے کی کیا

جو کچھ کہتے ہیں، اس کے مطابق عمل نہیں کرتے۔ مزید یہ کہ ان کی دعوت کا عملی اور واقعاتی زندگی پر قطعاً کوئی اثر نہیں۔ دوسرا الزام ڈاکٹر صاحب نے یہ دیا ہے کہ یہ لوگ جاہل ہیں۔ جو کچھ پڑھتے ہیں، وہ سمجھتے نہیں اور جو کچھ سمجھتے ہیں وہ اصل عبارتوں کے مدلول سے کوسوں دور ہوتا ہے۔ پھر تیسرا الزام ڈاکٹر صاحب کا یہ ہے کہ انھوں نے کچھ باتیں اپنے جی میں گھڑلی ہیں اور نہایت تکلّف اور تصنّع سے ان کی طرف دعوت دیتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب! افسوس کہ غضب اور انفعال کی کیفیت میں حقیقت آپ سے مخفی رہی، لہٰذا آپ کے یہ تینوں اتہامات غلط ہیں۔ وہابی تحریک سے وابستگان کے فکر اور عمل میں کوئی تضاد نہیں، بلکہ کوئی بھی اسلامی تحریک ایسی نہیں جس نے وہابی تحریک کی طرح پوری امانت و دیانت کے ساتھ اپنے افکار و نظریات پر عمل کر دکھایا ہو۔ وہابی تحریک کے بقاء اور رسوخ کا بھی شاید یہی سبب ہے، بلکہ اب تو وہابی تحریک فکر کے ایک خاص اسلوب اور نظامِ حیات کے مخصوص انداز سے تعبیر ہے۔ وہابی فکر و عقیدہ ہرگز اس بات کا متقاضی نہیں کہ جو کچھ پڑھو اس کی تردید کرو۔ بلکہ وہابی فکر تو فہم سلیم، ایمانِ کامل اور سچی دعوت سے عبارت ہے۔ وہابی تحریک نے بہت سے ایسے علماء کرام کو جنم دیا جن کے فکر میں سلامتی، گفتگو میں شیرینی و فصاحت اور تصنیف و تالیف کے میدان میں خاص وزن تھا، اسی طرح اس تحریک نے کبھی بھی تکلّف اور تصنّع سے کام نہیں لیا، بلکہ یہ تو اس شخص کی دعوت ہے جو خواہشاتِ نفس اور عصبیت سے پاک تھا اور بڑے خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے امّت کو گمراہیوں اور ضلالتوں سے بچانے کے لیے سرگرم عمل ہوا تھا۔

آپ کے بعد تحریک کے علمبردار آپ کے صاحبزادگانِ گرامی، اولاد و احفاد، شاگردانِ کرام اور دوست و احباب تھے جو کہ امانت و دیانت کے پیکر تھے اور پھر

ضرورت ہے۔ اگر آپ کی مراد افکارِ سلیمہ اور آراءِ مستقیمہ سے ہے جو خواہشِ نفس اور اندھی تقلید کی تباہ کاریوں سے متاثر نہ ہوئے ہوں جیسے کہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ اور شیخ الاسلام امام ابن قیمؒ کے آراء و افکار ہیں، تو یہ بات بلا خوفِ تردید کی جا سکتی ہے کہ وہابی تحریک نے ان جیسے افکار و آراء سے کبھی سرِ مُو بھی انحراف نہیں کیا بلکہ تحریک ان آراء و افکار سے مکمل طور پر اتصال و اتحاد رکھتی ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی یہ بات کہ تحریک کا رجحان کبھی مشرقی عوامل کی طرف ہوتا ہے اور کبھی مغربی کی طرف، بے بنیاد اور باطل اتہام ہے۔ تحریک نے اپنی عمر کے کسی حصہ میں کبھی بھی اسلام سے بعید نہ تو مشرقی عوامل کی طرف توجہ دی ہے اور نہ مغربی عوامل کی طرف اور نہ انشاء اللہ آئندہ کبھی ان کی طرف توجہ دے گی۔ اسی طرح یہ تحریک صرف انہی عادات و اطوار سے روشناس ہے جو اسلام کے مقرر کردہ ہیں۔

مختصر یہ کہ جملہ امور میں تحریک کے پیشِ نظر صرف ایک ہی مصدر و ماخذ ہے اور وہ وحی الٰہی خواہ وہ قرآن کی صورت میں ہو یا سنّت کی شکل میں۔ تحریک اس مصدر سے منحرف ہو کر نہ مشرق کی طرف دیکھتی ہے اور نہ مغرب کی جانب، بلکہ ہر وقت اس کے پیشِ نظر سورۃ انعام میں وارد یہ ارشادِ باری تعالیٰ رہتا ہے :

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ؕ	اور یہ کہ میرا سیدھا رستہ یہی ہے تو تم اسی پر چلنا اور دیگر رستوں پر نہ چلنا کہ (ان پر چل کر) خدا تعالیٰ کے رستے سے الگ ہو جاؤ گے۔

(الانعام - ۱۵۳)

ڈاکٹر صاحب آگے لکھتے ہیں :

" امید کی جاتی تھی کہ سلبی و ایجابی ہر اعتبار سے اصلی اسلامی فکر کے مطابق عمل کرنے کے باعث یہ تحریک ہر اسلامی تحریک سے ممتاز

ہوگی اور اس تحریک سے وابستہ جماعت کے ہر فرد کی زندگی داعی تحریک کے افکار کا نمایاں عنوان ہوگی۔"

ڈاکٹر صاحب جس کی امید رکھتے ہیں، یہ درحقیقت عملی طور پر وقوع پذیر ہوچکا ہے۔ سعودی حکومت جو اس تحریک کی دست وبازو بنی۔ اس نے تمام حوادث سے بچایا، جو دیگر اسلامی جماعتوں کو پیش آئے؛ چنانچہ تحریک نے سعودی حکومت کی حمایت کے زیرسایہ منزلِ مقصود کی طرف نہایت تیزی سے قدم بڑھائے۔ تحریک سے وابستہ حضرات نے اساسی فکر کے مطابق عملی زندگی اختیار کی اور جماعت کی زندگی فی الواقع ان مبادیات کا عنوان بن گئی جن کا بانی تحریک نے اعلان کیا تھا۔ تحریک میں کبھی بھی کوئی تخلف رونما نہیں ہوا نہ نظری اعتبار سے اور نہ عملی اعتبار سے۔ نہ داعی تحریک کی زندگی میں اور نہ جماعت کی زندگی میں جیسے کہ بعض دیگر تحریکیں حکومتوں کے زیرسایہ آنے کے باعث تخلف کا شکار ہوگئی تھیں۔

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

"وہابی تحریک کی طرف سے شیخ محمد بن عبدالوہابؒ اور سعودی حکومت کی طرف سے امیر محمد بن سعودؒ کے مابین ۱۱۵۷ھ میں باہمی معاہدہ ہوا، جس کی رُو سے وہابی مذہب کی تعلیمات اور حکومتِ وقت کے مابین گویا اخوت کی فضا پیدا ہوئی، اس سے سعودی عرب میں نقصان یہ ہوا کہ تعلیمی میدان میں اختلاط پیدا ہوگیا اور دینی و دنیوی اعتبار سے تعلیمی میدان میں بھی تفریق پیدا کردی گئی۔"

امرِ واقع ایسے نہیں جیسے ڈاکٹر صاحب نے بیان کیا ہے، بلکہ صورتِ حال اس سے یکسر مختلف ہے اور وہ یہ کہ شیخ و امیر کے معاہدے سے لے کر ۱۳۴۴ھ تک تعلیم نظامی کا رواج رہا ہے۔ ۱۳۴۴ھ میں یعنی مذکورہ معاہدے کے ایک سو ستر برس بعد یہاں

ایجوکیشنل کارپوریشن قائم کی گئی، اس دور تک تعلیم تمام کی تمام دینی تھی۔ طلبہ اپنے اساتذہ سے مساجد میں تعلیم حاصل کرتے تھے، بالکل ایسے ہی جیسے مصر کے جامعہ ازہر اور بعض دیگر بڑی بڑی مساجد میں انتظام ہے۔ پھر وزارتِ معارف نے مکّہ و ریاض میں اور نجد و قصیم کے بعض بڑے بڑے شہروں مثلاً عنیزہ، بریدہ، مجمعہ اور شقرہ میں درسِ نظامی کے دینی ادارے قائم کیے۔ ان اداروں کے لیے اساتذہ جامعہ ازہر سے طلب کیے جاتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب ان دنوں ڈائریکٹر آف ایجوکیشن تھے، تاآنکہ ۱۳۷۳ھ میں وزارتِ معارف قائم ہو گئی۔

اس وقت ثانوی سکول دو سے زیادہ نہ تھے۔ ایک تو جدہ میں تھا اور دوسرا مکہ مکرمہ میں، لہذا وزارتِ تعلیم مجبور ہو گئی کہ دینی و عربی تعلیم کے ساتھ ساتھ جدید علوم کے لیے مدارس کا سلسلہ شروع کرے تاکہ سعودی عرب بھی متمدن و مہذب ممالک کے شانہ بشانہ چل سکے۔ اس سلسلے میں وزارتِ تعلیم نے بڑی سرگرمی دکھائی، یعنی صرف بیس سال کی مدت میں دو ہزار مدارس یعنی ہر سال ایک سو مدارس جاری کیے۔ اس کے علاوہ وزارتِ تعلیم نے ان مدارس کی حفاظت بھی کی جنہیں ایجوکیشنل کارپوریشن نے قائم کیا تھا تاکہ کالجوں کی ضرورت پوری ہو سکے۔ اس طرح سعودی عرب ان ممالک کے ساتھ شامل ہو گیا جو تعلیمی میدان میں اس سے سبقت لے جا چکے تھے، بلکہ بہت سے ممالک سے تو یہ فوقیت بھی لے گیا۔ اب یہاں ایک بہت بڑی علمی تحریک شروع ہو چکی ہے جسے معجزہ سے کم قرار نہیں دیا جا سکتا، حالانکہ یہاں قدم قدم پر مشکلات تھیں۔ خاص طور پر سعودی عرب کا بے پناہ رقبہ اور یہاں کے شہروں اور دیہاتوں میں بے پناہ مسافت قابلِ ذکر ہے۔

ان مشکلات کے باوجود اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور تعلیمی میدان میں کام کرنے والے حضرات کی مساعی جمیلہ کی بدولت یہاں علمی میدان میں ایک عظیم انقلاب برپا ہو گیا۔

اس سلسلے میں وزیرِ تعلیم جناب شیخ حسن بن عبداللہ آل الشیخ امدہ اللہ بعونہ جو کہ بہت بڑے عالم اور ادیب ہیں، کی کاوشیں قابلِ صد ستائش ہیں۔ ان کی کاوشوں ہی کا یہ ثمرہ طیبہ ہے کہ یہاں اس دور کا عظیم ترین تعلیمی انقلاب برپا ہوا ہے۔ شہروں حتیٰ کہ دُور دُور کی بستیوں تک مدارس کے جال کو پھیلا دیا گیا ہے اور اب تو ہم وطنوں کا سب سے بڑا مقصد اپنے تئیں زیورِ تعلیم سے آراستہ کرنا ہے۔

تعلیم کا مرحلہ ابتدائی ہو، متوسط، ثانوی یا اعلیٰ ان سب مراحل میں عقیدہ اور فقہ کے ساتھ ساتھ دیگر علوم کی تعلیم بھی دی جاتی ہے، لیکن جدید معاصر علوم کے داخلِ نصاب کا یہ مطلب نہیں کہ انہیں دینی علوم کے بجائے داخل کیا گیا ہے اور نہ اس سے یہ مقصد ہے کہ دینی تعلیم ان طلبہ کو دی جاتی ہے جو وہابی تحریک سے وابستہ ہیں اور دنیوی تعلیم سے ان طلبہ کو آراستہ کیا جاتا ہے جو حکومت سے تعلق رکھتے ہوں، یعنی یہاں اس قسم کی قطعاً کوئی تفریق نہیں ہے جیسے کہ ان بعض ممالک میں ہے جو استعمار کے زیرنگیں رہے ہیں۔ یہاں بحمداللہ وہابی تحریک کے خادموں اور حکمران سعودی خاندان کے کارکنوں کے مابین کوئی تفریق یا اختلاف نہیں ہے۔

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

"یہاں تعلیمی میدان میں انسانی ثقافت کے اعتبار سے ایک اور تفریق بھی پائی جاتی ہے۔"

یہ تفریق بھی ڈاکٹر صاحب کے تخیل کی پیداوار ہے۔ سعودی عرب کے تمام مدارس، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں انسانی ثقافت سے متعلق تمام علوم و فنون، ان کا تعلق تربیت و تعلیم سے ہو یا نفسیات سے، جغرافیہ سے ہو یا تاریخ وغیرہ سے سب بلا تمیز و تفریق پڑھائے جاتے ہیں۔ مکہ مکرمہ میں تو "ملک عبدالعزیز یونیورسٹی" کے زیرِ اہتمام ایک خاص ٹریننگ کالج بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سعودی عرب میں اب تو انسانی ثقافت سے متعلق ہر مضمون کے

متخصص حضرات اتنی کثیر تعداد میں ہیں کہ کسی دوسرے اسلامی ملک میں اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔

سعودی حکومت، اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرمائے اور حاسدوں کی شرارت سے محفوظ رکھے ۔ تعلیمی میدان میں خرچ کرنے سے قطعاً دریغ نہیں کرتی، بلکہ اساتذہ ومدرسین کی خدمت کے سلسلے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتی۔ یورپ اور امریکہ کی یونیورسٹیوں میں سینکڑوں سعودی نوجوان مختلف علوم وفنون میں ڈاکٹریٹ کر رہے ہیں اور ان کی تعداد بھی بیسیوں سے متجاوز ہے جو تعلیم حاصل کرنے کے بعد اب تعلیمی اداروں میں تدریس کے فرائض انجام دے رہے ہیں یا ان کا نظم ونسق سنبھال رہے ہیں۔ اب وہ وقت زیادہ دور نہیں ہے کہ سعودی عرب اعلیٰ کوالیفائڈ حضرات کے سلسلے میں خود کفیل ہو جائے گا، بلکہ دیگر برادر اسلامی ممالک کی ضرورت بھی پوری کرے گا۔

وہابی تحریک تمام اسباب حیات سے استفادہ کرتی ہے

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں :

"وہابی مذہب کی تعلیمات ایسے ہی ہیں جیسے کہ کسی بھی اسلامی ملک میں دینی تعلیمات ہیں، یعنی یہ زندگی سے بھی الگ تھلگ ہیں اور عام تعلیم سے بھی۔ نیز یہاں کوئی خاص علمی اثر نہیں ہے جس سے ہم اس تحریک اور حکومت کے درمیان عملی یا عام تعلیمی میدان میں کوئی نمایاں فرق محسوس کر سکیں۔"

وہابی تحریک کے بارے میں ڈاکٹر صاحب کی اس رائے سے یہ حقیقت نمایاں طور پر سامنے آجاتی ہے کہ یہ ایک ایسے شخص کی رائے ہے جو اپنے آپ کو نفسانی خواہش یا کسی فاسد غرض سے محفوظ نہیں رکھ سکا۔ ہم جناب فاضل ڈاکٹر صاحب سے یہ پوچھنے کی جسارت

کریں گے کہ انہوں نے جو یہ فرمایا: "وہابی مذہب دینِ اسلام کی تعلیمات کی طرح ہے" تو کیا وہابی مذہب کی تعلیمات دینِ اسلام کی تعلیمات کے علاوہ کچھ اور ہیں تاکہ ان کی یہ تشبیہ صحیح ثابت ہو سکے؟ یا ڈاکٹر صاحب کہنا یہ چاہتے ہیں کہ وہابی مذہب کا دینی تعلیمات میں اتنا ہی حصہ ہے جتنا کہ کسی بھی اسلامی ملک کا ہے اور پھر ڈاکٹر صاحب سب کو موردِ الزام ٹھہراتے ہیں کہ یہ زندگی اور عام تعلیم سے دُور ہو گئے ہیں۔

پہلی بات تو یہ کہ ہم ڈاکٹر صاحب کی اس رائے کو صحیح نہیں سمجھتے کہ وہابی تحریک دین سے اتنا تعلق ہی رکھتی ہے، جتنا کہ دیگر اسلامی ممالک بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ اس تحریک کے مابین جو کہ آمیزشوں اور ملاوٹوں سے پاک صاف کرنے کے لیے برپا ہوئی، اور ان مذاہبِ منحرفہ کے مابین جنہوں نے دین کو نئی نئی آراء اور عجمی فلسفوں کی وساطت سے سیکھا ہے، زمین و آسمان کا فرق ہے۔

دوسری بات یہ کہ ہم یہ تسلیم کرنے کے لیے بھی تیار نہیں کہ وہابی تحریک زندگی سے دُور ہے، بلکہ یہ تو زندگی کے تمام اسباب سے بھرپور استفادہ کر رہی ہے اور یہ تحریک ان کروڑوں پیروکاروں کے لیے مصدرو ماخذ ہے جو زندگی کا صحیح لطف اس کے گھنے سایوں ہی میں محسوس کرتے ہیں۔ اگر ڈاکٹر صاحب کی مراد زندگی سے محض دنیوی زندگی کے اسبابِ عیش و نشاط اور جھوٹے تمدن و تہذیب کی چمک دمک ہے جس سے اکثر اسلامی ممالک کی آنکھیں چندھیا گئی ہیں، تو وہابی تحریک اس قسم کی زندگی سے اپنے ماننے والوں کو دور رکھنے ہی میں عافیت سمجھتی ہے۔

تیسری بات یہ کہ ڈاکٹر صاحب کا یہ کہنا بھی درست نہیں ہے کہ وہابی تحریک عام تعلیم سے نفور ہے، بلکہ یہ تو اس بات کی قائل ہے کہ ہر نفع بخش علم کو حاصل کرنا چاہیئے اور حکمت و دانش جہاں سے بھی ملے، اس سے استفادہ کرنا چاہیے۔

حق کی طرف رجوع باطل میں سرگردانی سے بہتر ہے

یہ تھے ڈاکٹر محمد بہی کے وہابی تحریک سے متعلق نظریات وافکار۔ افسوس کہ انہوں نے اس سلسلے میں جو کچھ کہا سب کا سب اوّل سے لے کر آخر تک غلط ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے یہ سب کچھ لکھ کر اولاً تو اپنا بُرا کیا ہے کہ اپنے نفس کو ایسی غلطیوں کے ارتکاب پر آمادہ کیا جن کی بُرائی بالکل عیاں ہے۔ پھر انہوں نے حقیقت کا بُرا کیا کہ حقیقتِ امر کو انہوں نے اپنے ظلم وستم کا نشانہ بنایا ہے۔

کیا ہم ڈاکٹر صاحب سے یہ امید رکھیں کہ وہ ہمارے اس تنقید وتبصرہ کی روشنی میں اپنے نفس کا احتساب کرتے ہوئے اپنے ان آراء وافکار سے رجوع کرلیں گے اور اس مشہور مثال پر عمل پیرا ہوں گے کہ حق کی طرف رجوع کرلینا باطل میں سرگردانی سے بدرجہا بہتر ہے اور ہم یہی امید رکھتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب حق کی طرف رجوع فرمالیں گے۔

آخر میں اللہ کریم رؤف ورحیم سے استدعا ہے کہ وہ ہمیں حق وانصاف کی راہ پر چلنے کی توفیق عنایت فرمائے اور نفس کی شرارتوں اور بُرے اعمال سے محفوظ رکھے۔

انہ ولی التوفیق۔



محمد خالد سیف

طارق اکیڈمی فیصل آباد

5 ستمبر جمعۃ المبارک بوقت 5:30 بجے شام

محمد خلیل ہراس

صدر شعبۂ عقیدہ • ہائر سٹڈیز

شریعت کالج مکہ مکرمہ

زندگی کی اندھیری راہوں میں علم کے نور سے روشنی حاصل کریں

آپ کے مطالعہ کیلئے بہترین کتابیں

تربیت نسواں
36/-
نعمت صدیقی / محمد خالد سیف
مصری مصنفہ کی شاہکار کتاب جو آپ کے گھر کا نقشہ بدل دے گی۔

کالا پانی
60/-
محمد جعفر تھانیسری / محمد سرور طارق
ایمانی جذبوں سے سرشاران مجاہدین کا تذکرہ جنہوں نے اپنے خون سے جہاد کی شمعیں روشن کیں۔ "کالا پانی" میں بسر کئے گئے 18 سالوں کی سرگزشت

انسانیت موت کے دروازے پر
60/-
ابوالکلام آزادؒ
ابوالکلام آزادؒ کے سحر آفریں قلم سے ایک داستان حسرت' ایک مرقع عبرت جسے پڑھ کر دل فگار اور آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں

اصحاب کہف اور یاجوج ماجوج
50/-
ابوالکلام آزادؒ
اپنے موضوع کی ایک منفرد کتاب

36/-

قولِ فیصل

ایک ایسی حکومت کے خلاف کلمہ حق جس کی سلطنت میں سورج غروب نہ ہوتا تھا
ابوالکلام آزادؒ کا عدالت میں ایک تحریری بیان جسے صدیوں یاد رکھا جائے گا

120/-

تذکرہ امام محمد اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ

مقدمہ مفکر اسلام مولانا محمد حنیف ندویؒ

محمد خالد سیف کے شگفتہ قلم سے ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک کے
عظیم جرنیل "شاہ اسماعیل شہید" کی حیات مبارکہ کے لیل و نہار کا دل آویز تذکرہ

70/-

نمازِ مصطفیٰ ﷺ

محمد خالد سیف

نماز دین کا ستون ہے' نماز مومن کی معراج ہے' نماز پیارے نبی ﷺ کی
آنکھوں کی ٹھنڈک...... لیکن افسوس کہ آج ہماری نمازیں
"صفیں کج' دل پریشان' سجدہ بے ذوق" کی تصویر بنی ہوئی ہیں۔ (الاماشاء اللہ)
نماز کی اہمیت' مسائل اور روزمرہ کی دعاؤں اور وظائف سے مزین ایک بہترین کتاب
خود پڑھیں دوستوں اور اپنے گھر والوں کو تحفہ دیجئے کہ یہ صدقہ جاریہ ہے

60/-

آئمہ سلف اور اتباع سنت

امام ابن تیمیہؒ
ترجمہ پروفیسر غلام احمد حریریؒ



ہماری کتابیں



براہ راست 25% قیمت پر حاصل کریں ○ مکمل فہرست کیلئے خط لکھیے

وہابی تحریک

بارھویں صدی ہجری کے آغاز میں جب سرزمین حرم شرک کی آلودگیوں سے داغ دار ہوگئی، کتاب وسنت کی جگہ خرافات اور رسوم جاہلیہ نے لے لی، ایک اللہ کی جگہ سینکڑوں معبود بنالیے گئے۔ بیرونی استعمار کی دست درازیاں کعبۃ اللہ اور حرم نبوی ﷺ تک دراز ہوگئی تھیں جبکہ توحید خالص اور پیغام محمد ﷺ کے پاسبان غربت وناتوانی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو چکے تھے۔

اسی دور ظلمت واستبداد میں سرزمینِ نجد سے ایک چشمہ پھوٹا:

"عینیہ" کے ایک ممتاز علمی گھرانے کے شیخ عبدالوہاب کے نومولود بیٹے کا نام "محمد" رکھ دیا گیا۔ یہی محمد بن عبدالوہابؒ — قُولُوا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ تُفْلِحُوا کی صدائے حیات بخش کے منادی بنے۔ اس امامِ وقت کی نصرت وتائید کا تاج قدرت الٰہی نے مؤسس خاندان سعودیہ امیر محمد بن سعود کے سر پر رکھ دیا۔ دنیا کو توحید کا بھولا ہوا سبق یاد دلانے کا یہ عہد وپیمان اس عظیم انقلاب کی بنیاد بنا جس نے کتاب وسنت کے چراغ روشن کیے مسلمانوں کے عقائد واخلاق کی اصلاح کی اور جزیرۃ العرب کے علاوہ پوری اسلامی دنیا میں دعوت الی اللہ کی داغ بیل ڈالی

اسی مقدس کارواں کا نام وہابی تحریک ہے

الحمد للہ! آج پوری انسانی دنیا اس تحریک کی بدولت پیغامِ اسلام کی ضوفشانیوں سے منور ہو رہی ہے۔